شیواجی کون تھے؟

گووند پانسرے

مترجم

سید شاہ غازی الدین (ایڈوکیٹ، شولاپور)

شیواجی کون تھے؟

گووند پانسرے

ترجمہ
سید شاہ غازی الدین (ایڈوکیٹ)

لوک وانگمئے گرہ

"آج کل بہت سارے لوگوں کے ذہن میں ہندو مخالف مسلمانوں کے جھگڑے کی تصویر رہتی ہے۔ ان کے خود کے ذہنوں کی یہ غیر یقینی اور ناخوشگوار کشمکش کو وہ ماضی کی تاریخ کے صفحات میں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لئے کچھ لوگ شیواجی مہاراج کو ایک ہندو راجہ کی حیثیت سے دیکھنا پسند کرتے ہیں درحقیقت شیواجی مہاراج کے کردار میں اس قسم کے مذہبی جذبہ کی موجودگی کی کوئی گنجائش نہیں۔ انہوں نے ہندوؤں کی مذہبی حکومت کے قیام کے لئے کوئی معرکہ نہیں کیا۔ اپنی حکومت میں ہندوؤں کے مذہبی احکامات اور مذہبی کتب شروتی سمرتی۔ پوران کے مطابق ایک حکومت قائم کرنے کی انہوں نے کبھی خواہش نہیں کی۔ انہوں نے ایسی کوشش بھی نہیں کی۔ درحقیقت ان کے بحری فوج میں دریا سارنگ دولت خاں، ابراہیم خاں جیسے مسلم عہدہ دار تھے۔ ان کی فوج میں بیجاپور سے آئے ہوئے سات سو پٹھان تھے۔ مسلمانوں کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی انتہائی سنجیدہ کوشش کی۔ میدان سیاست میں وہ اورنگ زیب کے مخالف تھے۔ لیکن اس کے باوجود اورنگ زیب کے پڑدادا اکبر بادشاہ کی عظمت کی یاد دہانی کروائی۔ قطب شاہی سے ان کے تعلقات دوستانہ رہے اس واقعہ کو ہم دوسرے زاویہ سے دیکھ سکتے ہیں۔ جن وطن داروں (جاگیرداروں) کے خلاف انہیں زندگی بھر لڑنا پڑا وہ نہ صرف ان کے ہم مذہب تھے بلکہ رشتہ دار بھی تھے۔ گھور پڑے، نمبالکر، جادھو، ساونت، سروے جیسے کئی جاگیردار ہمیشہ ان کے خلاف رہے۔ شیواجی مہاراج کے خلاف ان کے ہم مذہب اور وطن دار کیوں مخالف رہے، لاکھوں عوام نے انہیں ایشور کے اوتار کی حیثیت سے کیوں دیکھا، ان سوالوں کا جواب ایک ہی ہے"۔

چھترپتی شیواجی مہاراج کی حیات: ایک معمہ: نرہر کرندکر (Narhar Kurundkar)

"عالمگیر اورنگ زیب اپنے دور کا ایک عظیم سیناپتی، جنگ کے اصولوں کا ماہر اور متصدی تھا۔ 1681ء میں اپنی لاکھوں فوج کے ساتھ جب وہ دکن میں آیا اس وقت اس کشمکش کی صورت مذہبی نہ تھی اس لئے کہ اس کی فوج میں ہندو سپاہیوں کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ ایسا کبھی نظر نہیں آیا کہ یہ لڑائی دو مختلف مذاہب والوں کے درمیان ہے۔ اورنگ زیب مراٹھوں کے ساتھ ساتھ عادل شاہی و قطب شاہی، دو مسلمانوں کی حکومتیں ختم کرنے آیا تھا۔ مسلمانوں کی عادل شاہی و قطب شاہی اور ہندو سنبھاجی ایک طرف تو مسلمان اورنگ زیب، اس کے لاکھوں ہندو سپاہی اور کئی سو ہندو سردار دوسری طرف۔ اس قسم کا یہ سنگھرش تھا۔ یہ دو مختلف مذہب والوں کا سنگھرش نہ تھا۔ اس کے باوجود اورنگ زیب اس میں کامیاب نہ ہوسکا۔"

چھترپتی شیواجی مہاراج کی حیات: ایک معمہ: از۔ نرہر کرندکر (Narhar Kurundkar)

شیوا جی کون تھے؟

گوبند پانسرے

© گوبند پانسرے

سرورق: کمل شیڈگے

پہلا ایڈیشن: اگست ۲۰۰۴ء

قیمت/۴۰ روپے Price Rs.40/=

ISBN 81 - 88284-47-5

مقام چھپائی

نیو ایج پرنٹنگ پریس

بھوپیش گپتا بھون

85 سایانی روڈ، پربھادیوی۔ ممبئی: 400 025

چھپائی/اشاعت

پرکاش وشواش راؤ

لوک وانگمئے گرہ، بھوپیش گپتابھون

85۔سایانی روڈ، ممبئی: 400 025

۱: فقید النظیر راجہ شیواجی

ویسے دیکھا جائے تو چھترپتی شیواجی مہاراج پر آج تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ کہانیاں، ناول، ڈرامہ، تماشے، گیت، لوک گیت، (پواڑے)، تاریخ، سوانح وغیرہ وغیرہ۔ یعنی شیواجی اور ان کے دور پر ادب کے تمام اصناف میں اکثر یہ موضوعات رہ چکے ہیں۔ فلمیں اور تقاریر بھی بہت ہو چکیں، اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ لیکن اس کے باوجود شیواجی مہاراج کی شخصیت اور ان کی کارکردگی پر جن عناصر نے اثر ڈالا، اور ان کی جو تصویر عوام کے سامنے آئی وہ تاریخی حقائق سے بہت پرے ہے۔

راجہ کی قدر 'جمہوریت'' میں

صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو شاہی حکومتیں، جاگیردارانہ نظام، یہ تمام ازکار رفتہ سماجی نظام ہیں۔ شیواجی کے دور میں جاگیردارانہ نظام رائج تھا۔ شیواجی خود بھی جاگیردارانہ نظام کی پیداوار تھے۔ نہ صرف ہمارے ملک نے بلکہ پوری دنیا نے شاہی نظام حکومت کو ختم کر دیا۔ راجواڑوں کو ختم کرنے کی جدوجہد ہوتی رہی۔ شاہی حکومتوں کو ختم کر کے جمہوریت لائی گئی۔ اور یہ سب ٹھیک ہی ہوا۔ شیواجی کی قائم کردہ حکومت کے بعد جو کچھ بھی ہوا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ راج شاہی، طاقتور نظام برطانوی سامراجیت کے سامنے بھارت کا جاگیردارانہ نظام ٹک نہ سکا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شہنشاہیت اور جاگیردارانہ نظام پر مبنی نظام حکومت ناقابل قبول ہوتا ہے۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوک شاہی میں ایک راجہ کا جے جے کار کیوں ہوتا ہے۔ پھر اس راجہ کے خیالات، اس کی کارکردگی اور کردار میں ایسی کون سی بات تھی کہ آج بھی لوک شاہی

کے دور میں اس کو یاد کیا جاتا ہے ۔ یوں تو بہت سارے راجے گذرے ہیں ۔ لیکن ان کو یاد نہیں کیا جاتا ۔ ان کی پیدائش کے دن کی تقاریب اور ان کے موت کے دن کو کوئی بھی نہیں مناتا ۔ ان راجاؤں کے اگر کوئی ورثاء، زندہ ہوں تو شاید اس قسم کی تقاریب منعقد کرتے ہوں ۔ یا ان علاقوں میں جہاں ان راجاؤں کی پیدائش ہوئی، ایسی تقاریب کا انعقاد ہوتا ہو۔ لیکن راجہ شیواجی کی پیدائش کے دن کو جتنے بڑے پیمانہ پر، اور جس جوش وخروش اور اہتمام کے ساتھ منایا جاتا ہے شاید ہی کسی راجہ کے متعلق ہوتا ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ دوسرے راجاؤں کے مقابلہ میں اس راجہ میں ایسی کون سی خاص بات ہے کہ جس کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے ۔ شیواجی کا دور اور اس کے بعد والے دور کے فرق کو سمجھا گیا تو شیواجی کے کردار اور اس دور کے بارے میں ہم صحیح فیصلہ کر سکیں گے ۔

ایک ریاست کے بانی

پہلی بات یہ ہے کہ شیواجی، کسی بنی بنائی ریاست کے تخت پر کسی وارث کی حیثیت سے نہیں بیٹھے ۔ ریت پر لکیریں بنا کر پلان بنانا آسان ہوتا ہے ۔ یہ کوئی قابل تعریف بات نہیں ہے ۔ کسی راجہ کے وارث ہونے کے ناطے بہت سارے لوگ راجہ بن چکے ہیں ۔ شیواجی کسی راجہ کے وارث کی حیثیت سے راجہ نہیں بنے بلکہ انہوں نے تو ایک راج کی بنیاد ڈالی وہ ایک راج کے بانی تھے ۔ اور کسی راج کی تشکیل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا ۔ اوروں کی قائم کردہ ریاست پر حکومت کرنا اور بات ہے اور ایک نئی ریاست کو قائم کرنا اور بات ہے ۔ دونوں میں بڑا فرق ہے ۔

شیواجی راجہ نے جس وقت ایک ریاست کی بنیاد ڈالی ۔ اس وقت کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا ۔ اس کی عملی صورت تو دور کی بات ہے ۔ ان دنوں کسی ''شاہی'' کی ایمانداری سے ملازمت کرنا کسی درباری کو خوش رکھنا، اور اس کے لئے لاچاری قبول کرنا، اور کوئی انعام یا جاگیر حاصل کر کے زندگی بسر کرنا ہی مقصد زندگی ہوتا تھا ۔ لیکن شیواجی نے ایک نئی ریاست کی تشکیل کرنے کا عزم مصمم کر کے اس پر مناسب پلاننگ کے ساتھ عمل کیا ۔ اور ریاست کی تشکیل ہوئی ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ریاست کی تشکیل کرنے کے لئے شیواجی اکیلے نہیں تھے ۔ لیکن عوام میں ان کی جو مقبولیت ہوئی وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی ۔

اپنا کام - اپنا راج

شیواجی مہاراج اور ان کے کارناموں کی اور راجاؤں کے مقابلہ میں یہ منفرد خصوصیت تھی کہ عوام اور رعیت کو ان کے کام اور ان کے ریاست کے بارے میں یہ احساس تھا کہ یہ سب اپنا ہے اور اپنے لئے ہے ۔ صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو کسی حکومت کو اچھی یا بری ثابت کرنے کے لئے یہ کسوٹی ہے کہ اس حکومت کے بہوجن سماج کو یہ محسوس ہو کہ یہ حکومت اپنی ہے ۔ اپنے لئے ہے ۔ اور ہماری نمائندگی کرتی ہے ۔

آج ہم ایک جمہوری حکومت میں رہتے ہیں ۔ دنیا میں اور بھی جمہوری حکومتیں ہیں ۔ لیکن کیا وہاں کے عوام اور بہوجنوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ حکومت اپنی ہے یا اپنے لئے ہے ۔ ہماری حکومت میں کیا یہاں کے عوام کو محسوس ہوتا ہے کہ یہ حکومت ہماری اور ہمارے لئے ہے ۔ ایمانداری سے دیکھا جائے تو اس کا جواب نفی میں ہے ۔

حکومتی اداروں کی تعریف یوں بھی کی جاتی ہے کہ جہاں وہ عوام کی جانب سے وجود میں آتے ہیں وہیں بڑی تیز رفتاری سے وہ لوگوں سے دور ہوتے جاتے ہیں ۔ موجودہ جمہوریت بھی عوام کی جانب سے وجود میں آئی ہے اس لئے وہ عوام سے بڑی تیزی سے دور ہوتی نظر آتی ہے ۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آج کی نام نہاد لوک شاہی سے شیواجی کے دور کا جاگیردارانہ نظام ترقی یافتہ تھا ۔ آج کے دور اور شیواجی کے دور میں ۳۵۰ سال کا فاصلہ ہے ۔ جاگیردارانہ نظام کی تو آج ضرورت ہی نہیں ۔ لیکن آج کی جمہوری حکومت بھی عوام کے لئے فائدہ مند نہیں رہی ۔

جان کی قربانی کا جذبہ

اس دور کے عوام میں یہ جذبہ بدرجۂ اتم موجود تھا کہ شیواجی مہاراج کا کام گویا ہمارا کام ہے اس کی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں ۔

سدّی جوہر اور فاضل خان ایک زبردست فوج کے ساتھ پنہال گڈھ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے ۔ مہینوں گذر گئے مگر محاصرہ میں کسی قسم کا ڈھیلا پن نہیں آیا تھا ۔ نیتاجی پالکر نے سدّی ہلال کی مدد

سے محاصرہ توڑنے کے لئے حملہ کیا۔ مگر ناکامی ہوئی۔ شیواجی راجہ کے سیناپتی کو شکست تسلیم کر کے فرار ہوئے۔ خود کے بیٹے کو بچانے کی کوشش میں ایماندار سدی ہلال بھی دشمن (عادل شاہی فوج) کے ہاتھ گرفتار ہوتا ہے۔ محصور شیواجی کو فرار کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ صرف ایک ہی صورت بچنے کی تھی۔ محاصرہ کے کمزور حصے کو تلاش کیا جائے اور وہاں سے خاموشی سے فرار ہونے کا پلان بنایا جائے۔ اس پلان کے ایک حصہ کے طور پر ایک فرضی شیواجی تیار کیا گیا، راجہ پالکی میں بیٹھ کر جاتا ہوا پکڑا جاتا ہے۔ فرضی شیواجی کی شناخت ہونے تک سدی جوہر اور اس کے ساتھی غافل رہے۔ اصلی شیواجی اس وقت تک فرار ہو کر دور پہنچتا ہے۔ یہ فرضی شیواجی ایک غریب عام آدمی تھا۔ جس کا نام شیواجی نہاوی (حجام) تھا اس فرضی شیواجی یعنی شیواجی حجام کو معلوم تھا کہ گرفتاری کی صورت میں موت اٹل ہے۔ اس کے باوجود وہ اس عظیم قربانی کے لئے تیار ہوتا ہے اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ یعنی قتل کر دیا گیا۔

جان بوجھ کر موت کو دعوت دینے والے شیوا حجام نے کسی جاگیر کی امید میں یہ کارنامہ انجام نہیں دیا تھا۔ اسے اپنی جان کی پرواہ نہیں تھی۔ مگر شیواجی کو زندہ رہنا چاہئے یہ اس کی ضد تھی۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ راجہ شیواجی جو کچھ کرتے ہیں عام رعیت کے لئے کرتے ہیں اور ایسے یقین والا شیواجی نہاوی (حجام) اکیلا نہیں تھا۔

پنہال گڈھ کے محاصرے سے مہاراج نکل گئے۔ سدی جوہر ہوشیار ہوا۔ اور تعاقب شروع کیا۔ وشال گڈھ قلعہ تک جلد پہنچا نہ گیا تو خیر نہیں۔ مگر راستہ میں مٹھی بھر ماولے باجی گھور پڑے کی قیادت میں رکاوٹ بن گئے۔ مہاراج کو وشال گڈھ پہنچنے کے لئے موقع فراہم کرنا ضروری تھا۔ اس کام کے لئے گھوڑ کھنڈ میں باجی پربھو اپنے ساتھیوں کے ساتھ قربانی کے لئے تیار تھے۔ آخر وہی ہوا۔ باجی پربھو کام آیا۔ اور ان کے وہ ساتھی بھی کام آئے جن کے نام سے تاریخ بھی نا آشنا ہے۔

(نوٹ:۔ پنہال گڈھ کے قلعہ سے شیواجی کی فراری اور بیجاپوری سردار سدی جوہر کے ہاتھوں گرفتاری سے بچنا مراٹھا تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ سدی جوہر کو جب معلوم ہوا کہ شیواجی محاصرہ کے باوجود قلعہ سے فرار ہو گئے تو اس نے شیواجی کا تعاقب کیا۔ شیواجی کسی طرح قریب کے قلعے وشال گڈھ تک پہنچنا چاہتے تھے۔ دونوں قلعوں کے درمیان انتہائی تنگ راستہ ہے۔ جو گھوڑ کھنڈ کہلاتا ہے۔ شیواجی کی تعاقب کرنے والی فوج کو باجی پربھو دیش پانڈے (کائستھ) اور

چند ماولے سدی جوہر کی فوج کا راستہ روک کر راجہ شیواجی کو کسی طرح قریب کے وشال گڈھ کے قلعہ تک پہنچنے کے لئے درکار وقت میسر کرتے ہیں۔ اس کشمکش میں باجی پربھو دیش پانڈے اور اس کے ساتھی ماولے مارے جاتے ہیں۔ یہ واقعہ مراٹھا تاریخ میں کافی مشہور ہوا۔ سدی جوہر کے زیر قیادت عادل شاہی فوج کے زبردست محاصرے کے باوجود شیواجی کا فرار ہونا اور اس سلسلہ میں باجی پربھو کی قربانی اور ساتھ ہی ساتھ سدی ہلال اور اس کے لڑکے سدی واہ واہ کی قربانیاں مراٹھا تاریخ میں بڑے احترام سے یاد کی جاتی ہیں۔ (مترجم)

باجی پربھو اور وہ گمنام لڑاکے کیوں کر لڑے؟

وہی جذبہ، ہم مر جائیں گے مگر جس کام کی ابتدا ہوئی وہ پورا ہونا چاہئے۔ اسی جذبہ سے انہوں نے موت کو دعوت دی۔

تاریخ ایسے کئی واقعات اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ شہنشاہ اورنگ زیبؒ کے ایمان دار سردار کرن راجہ سنگھ کے سامنے مہاراج نے اپنی ہار کو تسلیم کیا۔ ناپسندیدہ شرائط پر آگرہ جانا پڑا۔ آگرہ کی قید سے نکلنے کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ پھر عقل چلائی اور مہاراج فرار ہوئے۔ فراری کے لئے بستر پر ایک شخص ڈھونگ کر کے سویا۔ دوسرا پہریدار بنا رہا۔ مہاراج کو فرار ہو کر دور نکلنے کے لئے موقع فراہم کرنا ضروری تھا۔ مہاراج کے داؤ کو کامیاب کرنے کے لئے اور دور نکلنے کے لئے موقع فراہم کرنا ضروری تھا اس لئے سب کو کچھ کرنا پڑا۔ اور موت کے سامنے جانے کے لئے مداری مہتر (ایک مسلمان ملازم) اور ہیرو جی فرزند تیار ہوئے۔ مداری مہتر اور ہیرو جی فرزند کو کہا یہ معلوم نہ تھا کہ یہ راز کھل جائے گا اور وہ بے موت مارے جائیں گے۔؟

اپنی موت کو دعوت دینے کے لئے وہ کیوں تیار ہو جاتے ہیں؟ وہی جواب۔ یعنی جو کام مہاراج شیواجی نے شروع کیا۔ وہ بہت قیمتی اور اہم ہے۔ ہم زندگی سے ہاتھ دھو سکتے ہیں۔ مگر کام کی تکمیل ضروری ہے۔ گھوڑ سوار سپاہیوں کو روک کر کہتا ہے "خبردار آگے نہ بڑھنا۔ تمہاری دھجیاں اڑا دی جائیں گی۔ تم کون ہو۔ کہاں جانا چاہتے ہو؟ وغیرہ وغیرہ"۔ وہ لڑکا بے خوف ہے۔ اسے اس بات کا احساس ہے کہ میں خود بھی اس تاریخی معرکہ میں شریک ہوں۔ شیواجی راجہ کچھ اچھا کر رہے ہیں۔ اور ہمیں بھی اس کام میں حصہ لینا چاہئے۔ اور ان گھوڑ سواروں میں خود شیواجی راجہ شامل ہیں۔ انہیں وہ پہچانتا نہیں تھا کیونکہ اس نے کبھی ان کو دیکھا نہیں تھا۔ لیکن اس میں یہ شدید احساس ہے

کہ اس کو شیواجی کے لئے کچھ کرنا ہے اور اسی لئے مسلحہ گھوڑ سواروں کو بے خوفی سے روکتا ہے۔

راجہ شیواجی نے اپنے دور میں اس قسم کا احساس اور جذبہ اپنے تمام ساتھیوں، سپاہیوں، اور رعیت میں پیدا کیا تھا اور یہی ان کی انفرادیت تھی۔ غیر معمولی بہادری کے کارنامے انتہائی اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے انجام دیئے جاتے ہیں۔ جو لوگ مال وزر کے لئے لڑتے ہیں اور مارے جاتے ہیں، انہیں تاریخ میں کبھی جگہ نہیں ملتی۔ لڑائیوں کے دوران کئی چھوٹے موٹے افراد بھی کچھ کارنامے انجام دیتے ہیں۔ جنگ کے میدانوں میں موت کو دعوت بھی دیتے ہیں۔ جاگیر کے تحفظ کے حصول کے لئے یا حاصل کردہ جاگیر کے تحفظ کے لئے بھی کارنامہ انجام دیئے گئے ہیں۔ لیکن مالی مفادات سے بے پرواہ جان بوجھ کر موت کو دعوت دینے والوں کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ شیواجی کے ساتھیوں، اور شیواجی کی رعیت کا اپنے راجہ کے مشن کی کامیابی کے لئے کیا گیا تعاون ہر قسم کے تنازعہ سے پرے تھا۔ شیواجی کی رعیت کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ شیواجی کی حکومت اور شیواجی کا مشن ہمارا اپنا ہے۔ اور یہ احساس وجذبہ ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر تھا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کیوں ہوا؟ شیواجی نے ایسا کیا کام کیا تھا کہ رعایا میں یہ احساس پیدا ہوا کہ شیواجی کا شروع کیا ہوا کام ہمارا اپنا ہے۔ سابقہ دور کے راجاؤں کو اتنا اعتماد حاصل کیوں نہیں ہوا تھا جتنا شیواجی کو حاصل ہوا؟ یہ ایک اہم سوال ہے؟

راجہ شیواجی کے مقابلہ میں دوسرے راجاؤں کا اپنے عوام سے برتاؤ میں زبردست فرق تھا اور ان سوالوں کے جواب اسی فرق میں ملتے ہیں۔

جاگیر داری، وطن داری، اور انعامداری

اس دور میں عوام کو اس بات کی بالکل فکر نہ تھی کہ کون سا راجہ ہے۔ کون آیا اور کون گیا۔ راج کسی کا بھی ہو، عوام کی زندگی پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔

تقریباً ہر دیہات خود مختار تھا۔ اس کا اپنا ایک نظام تھا۔ پاٹل ہوتا۔ کلکرنی ہوتا اور بارہ بلوتے والے ہوتے۔ اس طرح گاؤں کا کاروبار چلتا۔ گاؤں کے لوگ کاروبار چلاتے۔ حکومت کے بدل جانے پر بھی گاؤں کے کاروبار چلانے والوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

جو وطن دار بھر پور محصول وصول کرتے عوام پر ظلم کرتے ان کے خلاف دادرسی نہیں ہوتی جب انصاف ہی نہیں ملتا تو کوئی انصاف طلب نہیں کرتا۔ حکومت بدل بھی جائے تو کلکرنی، پاٹل، وطن دار، جاگیر دار اور دیشمکھ نہیں بدلتے، حکومت کے بدلتے ہی ان کی وفاداریاں بدل جاتیں۔ جس کی حکومت ہوتی ان سے اپنی وفاداریاں وابستہ کرتے۔ اپنی جاگیریں محفوظ کرتے۔ عوام پر ظلم جاری رہتا۔ مال وزر کی وصولی جاری رہتی اور حاکم وقت کو ان کا حصہ پہنچاتے۔ جب تک عوام پر ظلم ہوتا رہتا اس وقت تک عوام کا زرومال کسے پہنچتا ہے، اور کیسے پہنچتا ہے اس کا علم رعیت کو نہ ہوتا۔ عوام کی ایسی سمجھ بھی تھی کہ حاکم اور ان کے ایجنٹ لٹیرے ہیں۔ اس لئے وہ حکام وقت کے درمیان فرق نہیں کر پاتے۔ اسلئے مشہور مورخ راج واڑے نے اپنی ایک تصنیف کے پیش لفظ میں یہ لکھا ہے کہ پچھلے تین ہزار سال سے ہندوستان میں ملکی اور غیر ملکی حکومتوں کا تسلط رہا۔ وہ تمام حکومتیں خود غرضوں اور چوروں کی تھیں۔ اور سرکار میں بھی چوروں کی ٹولیاں تھیں۔ اور یہ خیال دیہاتوں میں رہنے والے ہمدردوں کا تھا جن کا مال ہمیشہ چوری ہوتا۔ انہیں یہ بھی احساس نہ تھا کہ چور کون ہے۔ اس کی ذات کیا ہے۔ اور ان سے کس قسم کا تعلق ہے۔ ان چیزوں کو جاننا یہ رعیت کے فرائض میں سے نہیں تھا۔

بہت دور برطانیہ میں رہ کر تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے مارکس نے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا تھا۔ مارکس نے ۱۴ر جون ۱۸۵۳ء کو اپنے ساتھی اینجلز کو ایک خط لکھا۔ اس میں اس نے بھارت کے اس دور کے معرکوں، دیہات، اور بدلتے راجاؤں اور حکام کے بارے میں لکھا کہ "دیہاتوں کو اگر جنگوں سے، قحط سالی سے، اور متعدی امراض سے دوچار ہونا پڑا تو بھی وہی سرحدیں، وہی خاندان، وہی مفادات سے ٹکے ہوئے ہیں۔ دیہاتوں میں رہنے والے حکومتوں کے انتشار کے اثرات کبھی محسوس کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ جب تک گاؤں صحیح سالم ہیں تب تک وہ اس بات کی فکر نہیں کرتے کہ حکومت کس کی ہے؟ حاکم کون ہے؟ ان کا اندرونی نظام بدلتا نہیں۔ اندرونی انتظامی امور میں حاکم راجہ کا کوئی دخل نہیں تھا۔ راجہ اور رعیت میں کوئی تعلق نہیں تھا۔ حاکم کا مذہب رعیت کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ حاکم کے تبدیل ہونے کے باوجود قدیم انتظامیہ جاری رہتا۔ اور عوام کی لوٹ کھسوٹ بھی جاری رہتی۔ وطن دار عوام کو چھیڑتے، لوٹتے، برباد کرتے مگر حاکم اس سے بے پرواہ رہتا۔ جب تک وطن دار اس کا حصہ پہنچاتا رہتا ہے۔ اس وقت تک حاکم کبھی بھی رعیت کے ساتھ

کیئے جانے والے برتاؤ کے بارے میں واقفیت حاصل کرنا اپنی ذمہ داری ہی نہیں سمجھتے تھے۔''

جب شیواجی کی حاکمیت قائم ہوگئی اور ان کی کارکردگی شروع ہوئی تو سب کچھ بدل گیا۔ راجہ اور رعیت میں تعلق پیدا ہوا۔ راجہ اپنی رعیت کا دیدار کرنے لگا۔ ان سے ملنے لگا۔ ان سے پوچھ تاچھ شروع کی۔ اس بات کی خبر لینے لگے کہ رعیت پر ظلم نہ ہو۔ رعیت کی مدد کیلئے خود راجہ پہنچنے لگا۔

جاگیردار، دیشمکھ، وطن دار، پاٹل، کلکرنی کی بے لگام حرکتوں کو لگام لگائی گئی۔ راجہ شیواجی نے کہا کہ وطن دار آقا نہیں، بلکہ وہ حکومت کے نوکر ہیں۔ اور عوام کو اس کا تجربہ بھی ہونے لگا۔ وطن داروں کی حرکتوں پر کنٹرول کیا جانے لگا۔ اس بات کے لئے قوانین بنائے گئے کہ لوگوں کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ ہو۔ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔

حکومت کے وضع شدہ قوانین کے خلاف عمل کرنے پر وطن داروں کے خلاف داد مانگنے کی ہمت عوام میں پیدا ہوئی۔ کیونکہ داد مانگنے پر تحقیق کی جانے لگی۔ اور ایسی سزائیں مقرر ہوئیں جس سے ان سرکش وطن داروں پر ضرب لگ سکے۔

شیواجی کی رعیت کے لئے یہ سب کچھ نیا تھا۔ اب تک جو نہ ہوا، وہ ہونے لگا۔ راجہ اور حکومت کی طرف دیکھنے کا عوامی نظریہ بدلنے لگا۔ انہیں یہ احساس ہونے لگا کہ راجہ اپنا ہے اور حکومت اپنی ہے۔

۲: راجہ جسے عوام کے درد کا احساس تھا

پرگنہ پونہ راجہ شیواجی کے والد شاہ جی کی جاگیر تھی۔ راجہ شیواجی کی کم عمری کی وجہ سے اس جاگیر کی دیکھ بھال کی ذمہ داری دادو جی کونڈ دیو پر ڈالی گئی تھی یہ علاقہ مغلوں اور عادل شاہی حکومت کی سرحد پر واقع تھا۔ اس وجہ سے اس علاقہ پر مسلسل حملوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ شہر اور گاؤں تباہ ہوتے۔ بستیاں اجاڑ دی جاتیں (سبھاسد بکھر، ایک اہم تاریخی ماخذ) یہ اجاڑ بستیاں جنگلوں میں تبدیل ہوگئیں۔ جنگلی جانوروں کی آماجگاہ بن گئیں۔ شیواجی اور دادا کونڈ دیو نے خستہ حال اور تباہ شدہ علاقہ کی زراعت اور کاشتکاروں کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ برباد شدہ مواضعات قول نامے پر دے کر دوبارہ بسائے جانے لگے۔ اناج کے بیج اور زراعت کے لئے درکار سامان فراہم کر کے زراعت کو دوبارہ ترقی دینے کے لئے ہمت افزائی کی جانے لگی۔ شروعات میں ۴۔۵ سال تک محصول میں رعایت دی گئی۔ من مانی طور پر وصول کرنے کا طریقہ ختم کیا گیا۔ زمینات کی پیمائش کی گئی۔ پیمائش کردہ زمینات کا محصول مقرر کیا گیا۔ اور مقرر کردہ محصول ہی وصول کرنے کا ضابطہ عمل میں لایا گیا۔ قحط سالی کے وقت محصول معاف کیا گیا۔ ''جب پیداوار ہی نہ ہوتو کاشتکار کیا دے سکے گا''۔ اس اصول کو سمجھ کر اپنایا گیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ قحط سالی میں کاشتکاروں کی مدد کی جانے لگی۔

وطن داروں کی حرکتیں: کچھ مثالیں

زمانہ قدیم سے طریقہ چلا آرہا تھا کہ آفیسر گاؤں کے دیشمکھ، دیش پانڈے، دیسائی، پاٹل،

کلکرنی، میراث دار، زمیندار وغیرہ رعیت سے محصول وصول کرتے۔ سرکاری عہدہ دار خود رعیت سے محصول وصول نہ کرتے۔ اس کی ذمہ داری دیشمکھوں اور زمین داروں وغیرہ پر ہوتی۔ جس کی وجہ سے تمام رعیت ان میراث داروں کے تحت رہتی اور یہ لوگ من مانی ظلم کر کے ان سے محصول وصول کرتے اور اگر کسی گاؤں کا سرکاری محصول ۲۰۰ یا ۳۰۰ روپئے ہوتا تو ان وطن داروں کے میراث دار دوہزار تا تین ہزار وصول کرتے۔ اس طرح وہ اپنی ضروریات کو پورا کرتے اور حکومت کو بھی پھنساتے۔ ''اپنے گاؤں میں برج بڑے بڑے مکان، گڑھیاں تعمیر کر کے مسلح پیادے، سپاہی رکھ کر طاقت ور بنتے۔ ان غیر قانونی کارروائیوں کی رپورٹ جب سرکاری عہدہ داروں تک پہنچتی تو یہ عہدہ داران میراث داروں سے محصول طلب کرتے۔ طاقتور دیشمکھ، اور زمیندار، سرکاری عہدہ داروں کے مطالبات کو نظرانداز بھی کرتے اور ضرورت پڑنے پر ان سے لڑنے کے لئے بھی تیار رہتے۔ ہر طرف بدمعاش باغیوں پر مشتمل افراد کا ایک جال پھیل گیا تھا۔ (کرشنا انت سبھا سد کی بکھر، ایک اہم تاریخی ماخذ)

ان حالات میں راجہ شیواجی نے کاشتکاروں سے محصول وصول کرنے کے جو انتظامات کئے تھے ان کی تفصیلات کچھ یوں ہیں:

شیواجی کے دور حکومت میں اراضی کی پیائش کر کے خود کاشتکاری کرنے والے افراد کے نام محال داروں کے دفاتر میں درج کئے گئے۔ اراضی کی پیائش کا ایک معیار مقرر کیا گیا۔ ایک لکڑی ہوتی جس کی لمبائی پانچ ہاتھ اور پانچ موٹھ ہوتی۔ پانچ معیاری ایک بیگھ زمین ہوتی اور ایک سو بیس بیگھ زمین کو ایک چاوزمین کہا جاتا۔ ہر بیگھ زمین میں کتنی پیداوار ہوگی یہ تیار فصل کا مشاہدہ کر کے طے کیا جاتا۔ پیداوار کے پانچ حصے کئے جاتے۔ تین حصے کاشتکار کے لئے مختص کئے جاتے۔ دو حصے سرکار کو دیئے جانے کا قولنامہ کیا جاتا۔ سرکار کو ادا شدنی حصہ اناج کی شکل میں یا نقد رقم کی صورت میں دیا جاتا تھا۔ قحط سالی یا آفات ساوی کی صورت میں کاشتکاروں کو تعاون دیا جاتا۔ اراضی جس کی کبھی کاشت نہ ہوئی ہو، اسے کاشت کے لئے دینے سے قبل ہی نئے کاشتکار کو کاشتکاری کے لئے درکار مویشی، اور بوائی کے لئے بیج دئے جاتے۔ پیداوار حاصل ہونے تک کاشتکار کو زندگی گذارنے کے لئے بھی اناج دینے کا انتظام کیا جانے لگا۔ دو چار سال کے بعد دی گئی مدد کے عوض کاشتکار کو حکومت سے ملی ہوئی چیزیں واپس کرنے کے لئے کہا جاتا۔ اس طرح کاشتکار کو قولنامہ پر

دے کر بہت ساری زرخیز زمین زیر کاشت لائی گئی۔ یہ حکم دیا گیا کہ آمدنی کا تخمینہ کر کے ٹیکس لگا دیئے جائیں۔ کسی پر ظلم نہ ہو۔ ایسی تاکید عہدہ داروں کو دی گئی۔ (حوالہ: انت کرشنا جی کی بکھر۔ ایک اہم تاریخی ماخذ)

وطن داروں اور زمینداروں کی بدانتظامیوں کو بڑی حد تک ختم کر دیا گیا۔ رعیت کے پاس سے محصول وصول کرنے کے لئے عہدہ داروں کو مقرر کیا گیا تا کہ سابق وطن دار اور ان کے ورثاء، رعیت کو معمولی قسم کی بھی تکلیف نہ دیں۔ محصول وصول کرنے کے لئے سابق میں جو حصہ مقرر کیا گیا تھا اس میں سے مناسب حصہ ہی ہر سال وصول کریں۔

انہیں ہر سال سرکار سے منظوری لینا پڑتا۔ اور اس وجہ سے وطن داروں پر دباؤ قائم رہتا اور رعیت ان کے چنگل سے بچ جاتی۔ رعیت کو غلام بنانے والے ان دیشمکھوں، دیش پانڈوں، اور دیہات کے عہدہ داروں کے برج، گڑھیاں، چھوٹے چھوٹے قلعے، مہاراج نے زمین دوز کر دیئے اور حکم دیا کہ آئندہ اس قسم کی حرکات کا ارتکاب نہ کریں۔ اور عام رعایا کی طرح سادے مکان بنا کر رہنے کا حکم دیا۔ (ماخذ: انت کرشنا جی سبھا سد، صفحہ ۶۔ شیوکالین مہاراشٹرا اے کلکرنی)

کاشتکاروں اور ان کی زراعت کی اتنی فکر کرنے والے راجہ سے عوام کو کیوں نہ محبت ہو؟ عوام کیوں نہ یہ سوچیں کہ اس راجہ کی کارکردگی قائم رہے اور اس میں اضافہ ہو؟ اور کیوں نہ ایک کم عمر لڑکا کہے ''خبردار۔۔۔''

عوام راجہ سے کس قسم کا برتاؤ کرتے ہیں۔ یہ اس بات پر منحصر ہے کہ راجہ عوام سے کیسا برتاؤ کرتا ہے؟ اگر راجہ اپنی رعیت سے ایک حصہ محبت کرے تو رعیت اپنے راجہ سے دس گنا محبت کرے گی۔ اگر حکمراں میں یہ احساس پیدا ہو کہ حکومت کوئی اپنی خانگی ملکیت نہیں بلکہ عوام کی امانت ہے تب عوام میں بھی یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ حکومت اپنی ہے۔ جس وقت حکمرانوں میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ حکومت ان کو اپنے آباواجداد سے ملی دولت ہے۔ اور اسی احساس کے ساتھ وہ جب عوام سے برتاؤ کرتے ہیں تو تاریخ شاہد ہے کہ عوام نے ایسی حکومتوں کو اکھاڑ پھینکا۔

شیواجی : خواتین کی آبرو کے محافظ

راجہ شیواجی کے کردار کی بہت سی خوبیاں ہر قسم کے تنازعہ سے پاک ہیں۔ اس کے بارے میں کسی بھی شخص کے ذہن میں کوئی شک نہیں۔ لیکن یہ باتیں تمام لوگوں کے پیش نظر ہیں، ایسا نہیں کہا جا سکتا۔

خواتین کی عزت وعصمت کے معاملہ میں مہاراج کے سوچنے کا زاویہ اسی میں سے ایک ہے۔

مہاراج کے دور سے پہلے خاص طور پر اس وقت کے جاگیردارانہ نظام میں عورتوں اور خاص طور پر غریبوں کے عورتوں کی عزت وعفت کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ راجواڑوں اور راج پتروں کی تو بہت دور رہی، خود سردار، وطن دار، زمیندار، دیشمکھ، پاٹل خاندانوں کے لئے غریبوں کی بہو بیٹیاں ان کے حسب خواہش استعمال کی چیزیں تصور کی جاتی تھیں۔ دن دہاڑے ان کی عزت لوٹی جاتی اور اس کی کوئی داد وفریاد نہ تھی۔ جس کے پاس داد وفریاد لے کر جاتے وہی آبرو لوٹتے ان آبرو لوٹنے والوں کو انعامات وخطابات سے نوازا جاتا۔

اس ضمن میں راجہ شیواجی کے سوچنے کا زاویہ بنیادی طور پر الگ تھا۔

رانجھیا کے پاٹل کا قصہ مشہور ہے۔ گاؤں کے وطن دار پاٹل نے ایک غریب کاشتکار کی نوجوان لڑکی کو دن دہاڑے اٹھالیا اور اس کی عصمت دری کی۔ ایسی زندگی سے موت بہتر سمجھ کر اس لڑکی نے خودکشی کی۔ تمام گاؤں کو اس واقعہ سے صدمہ ہوا۔ لیکن خاموشی کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ راجہ شیواجی کو یہ بات معلوم ہوئی۔ پاٹل کی مشکیں باندھ کر پونہ لایا گیا اور ہاتھ پیر توڑنے کی سزا سنائی گئی اور اس حکم پر عمل بھی ہوا۔ پونہ کے اطراف ماول کے علاقے میں تعجب اور حیرت سے لوگوں نے یہ واقعہ سنا۔ ایک غریب کی لڑکی کی عزت لوٹنے کے لئے ایک وطن دار پاٹل کو اتنی سخت سزا! تمام رعیت راجہ پر فدا ہوگئی۔ اور جب رعیت کی عزت کی حفاظت کے لئے راجہ کام کرتا ہے تب اس کے کام میں مدد کے لئے رعیت مرنے کے لئے بھی تیار ہوئی۔ جن وطن داروں کے بل بوتے پر حکومت کی جاتی ہے۔ انصاف کے معاملہ میں ان سے بھی رعایت نہ کرنے کے لئے ہمت درکار ہے۔ راجہ شیواجی کے پاس یہ ہمت تھی اسی لئے رعیت شیواجی کی اس اہم کارکردگی میں پوری طرح معاون تھی

۔ آج بھی نہ صرف دیہاتوں میں بلکہ شہروں میں غریبوں کی بہو بیٹیاں ظلم اور جنسی جارحیت کا شکار ہوتی ہیں۔ لیکن آج شیواجی کے وارث کہلانے والے کیا سزا پاتے ہیں؟ ہاتھ پیر توڑنے کی بات تو دور رہی، معاملہ کیا عدالت تک بھی پہنچتا ہے؟ جتنا بڑا زمیندار، جتنا زیادہ دولت مند، اتنے ہی جلدی الزامات سے بری ہوتا ہے بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ پکڑا بھی نہیں جاتا اور آج اس جمہوری دور میں ہم شیواجی کو یاد کرتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے خود کے رشتہ داروں اور عہدیداروں کے گناہوں کی پردہ پوشی کر کے دوبارہ شیواجی کے نام لینے کی کسی نے کوشش کی تو شیواجی کے حوالے سے اس سے جواب طلب کیا جائے اور آج ہم شیواجی کو اسی وجہ سے یاد کرتے ہیں۔

رانجیا پاٹیل کی یہ ایک مثال نہیں، اس قسم کے بہت سارے واقعات ہوئے ہیں۔ ۱۶۶۸ء کی بات ہے ان کے ایک فوجی سردار سکوجی گائیکواڑ نے بیل واڑی کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ قلعہ دار ایک خاتون ساوتری بائی دیسائی تھی۔ اس دلیر خاتون نے ۲۷ دن تک قلعہ میں رہ کر مدافعت کی۔ لیکن آخر کار سکوجی گائیکواڑ نے قلعہ فتح کیا اور فتح کی خوشی اور جذبہ میں خاتون قلعہ دار کی عصمت دری کی۔ بات راجہ شیواجی کو معلوم ہوئی۔ انتہائی خفگی کا اظہار کیا۔ سکوجی کی دونوں آنکھیں نکلوا دیں اور زندگی بھر کے لئے اسے قید خانہ میں ڈال دیا۔ یعنی اپنے فاتح فوجی سردار نے دشمن قلعہ دار کی عصمت دری کی اس لئے اسے بخشا نہیں۔ وجہ اس کی ایک ہی تھی، عورتوں کی عزت وآبرو قائم رہنا چاہئے۔ وہ خاتون کوئی بھی ہو (۹۱ قلمی بھکر۔ ایک اہم تاریخی ماخذ)

کلیان کے صوبہ دار ملا نا محمد کی بہو کو دربار میں حاضر کرنے پر اس کے بارے میں نازیبا الفاظ کا استعمال نہ کرنا اور نا مناسب برتاؤ نہ کرتے ہوئے اسے چولی اور چوڑیوں سے سرفراز کر کے واپس کرنے کا واقعہ تو بہت سارے شعری ادب کا حصہ بن چکا ہے۔ ایک مسلمان دشمن کی نوجوان حسین بہو کو دیکھ کر اپنی ماں کو یاد کرنا اور وہ تاریخی جملہ ادا کرنا کہ "اگر میری ماں بھی اتنی حسین ہوتی تو کیا ہوتا؟" یہ واقعہ راجہ شیواجی کے پاکیزہ کردار اور حسن کے متعلق ان کے نظریہ پر روشنی ڈالتا ہے۔

آج کے ان بھڑ بھنجوں، شیواجی کے نام نہاد بھگتوں کے سامنے اگر ایسی خاتون لائی جاتی تو یہ بدقماش راجہ وطن دار، کے منہ سے کیا الفاظ نکلتے؟ اس سے ہم سچے شیواجی اور کھوٹے شیو بھگتوں کے فرق کا تصور کر سکتے ہیں۔ لڑائی کے وقت یا لوٹ کے وقت مسلمان یا ہندو کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والی خاتون ہاتھ آجائے تو اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو اور نہ اسے ستایا جائے۔ ایسی سخت تاکید

نہ صرف دی بلکہ اس پر عمل بھی کروایا۔

(نوٹ:۔ راجہ شیواجی اور اورنگ زیب کے ہم عصر مورخ خافی خان نے راجہ کا سخت مخالف ہونے کے باوجود بھی اپنی تاریخ منتخب الباب میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ راجہ شیواجی نے اپنی فوج کو حکم دے رکھا تھا کہ لڑائی اور لوٹ کے وقت مسجد کا احترام کیا جائے۔ قرآن شریف ملنے پر اسے احترام کے ساتھ اپنے مسلم سپاہیوں کے پاس دیا جائے اور عورت کی عصمت وعزت کا خیال رکھا جائے۔ مشہور مورخ پروفیسر شری رام شرما نے اپنی کتاب Crescent in India میں بھی اس اہم حکم کا تذکرہ کیا ہے: مترجم)

اس دور میں ہندو اور مسلمان، راجے رجواڑے، انعامدار جب بھی معرکوں کے لئے نکلتے، اپنے زنان خانے، نوکرانیاں، ناچ گانے والیاں، اپنے ساتھ رکھتے کہ یہی رواج تھا۔ دوسروں کے علاقہ کی عورتوں کو غلام بنانا اور پھر ان کی عصمت دری کرنا عام بات تھی۔ اس دور میں راجہ شیواجی نے سخت حکم دے رکھا تھا کہ کسی قسم کی بھی مہم کے وقت غلام عورتیں، نوکرانیاں، ناچ گانے والیوں کو ساتھ نہ رکھا جائے اور نہ کسی عورت کو غلام بنایا جائے۔

(سرجادوناتھ سرکار: Shivaji & His Times)

اکیسویں صدی کے آغاز میں آج بھی بھارت کی ترقی پسند، انصاف پسند، مہاراشٹر کی ریاست میں عورتوں کی عصمت دری ہوتی ہے اور نہ صرف جنسی استحصال کرنے والوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے بلکہ شیواجی کی جئے جئے کار کرنے والے ان کی پشت پناہی کرتے ہیں اور یہ لوگ شیواجی کے وارث ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور تصور کیجئے اگر شیواجی آج ہوتے تو ان شیو بھگتوں کا کیا حال کرتے؟

شیواجی اور سرکاری انتظامیہ کی زبان

بھارت میں لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تشکیل ہو کر ۴۰ سال سے زائد عرصہ ہوا۔ خود مہاراشٹر کی ایک زبان مراٹھی قرار دی گئی۔ لیکن آج بھی ریاست کا کاروبار انگریزی میں چلتا ہے جس مقصد کے لئے ریاست کی زبان ایک ہوئی وہ مقصد کب پورا ہوگا کون جانے؟ غیر ملکی انگریز صاحب سے

ڈیڑھ سو سال تک لڑ کر اسے سمندر پار بھگا دیا گیا۔ لیکن صاحب کی انگریزی زبان آج بھی ہمارے سینہ پر بیٹھی ہے۔ ابھی تک وہ دور نہ جا سکی۔ آج بھی دیسی صاحب انگریزی بات کرتا ہے اور اچھی انگریزی بولنا سماج میں ایک اعزاز سمجھا جاتا ہے اور جسے انگریزی نہیں آتی اسے دیہاتی سمجھا جاتا ہے۔

راجہ شیواجی کے دور میں سرکاری زبان فارسی تھی۔ کوئی بھی زبان اچھی یا بری نہیں ہوتی لیکن عوام کو فارسی سمجھ میں نہ آتی۔ اور ظاہر ہے خود کو سمجھ میں نہ آنے والی زبان میں سرکاری کاروبار چلانا عوام کے ذہن میں اپنائیت پیدا نہ کر سکا۔ کیا چل رہا ہے معلوم نہ تھا۔ راجہ شیواجی نے بہت غور کر کے سرکاری کاروبار میں استعمال ہونے والے مراٹھی اصطلاحات کا مجموعہ تیار کرنے کا اہم کام شروع کیا عام زبان میں کاروبار شروع ہوا۔ عوام کو یہ احساس ہوا کہ یہ اپنا کاروبار ہے۔ شیواجی کا راج اپنا راج ہے یہ احساس عوام میں پیدا ہوتا گیا۔

شیواجی اور رعیت

جس طرح غریب عوام کے بارے میں رعیت کی بہو بیٹیوں کی آبرو وعزت کے بارے میں اس دور میں مہاراج کا زاویۂ نگاہ دیگر لوگوں سے مختلف تھا۔ اسی طرح عوام کی دولت کے تعلق سے بھی ان کا نظریہ دوسرے حکمرانوں کے نظریہ سے بالکل الگ تھا۔ اس دور میں غنڈہ عناصر کے لئے عوام کی دولت لوٹ مار کے لئے تھی۔ اس دور میں مسلسل معرکے ہوتے۔ پیدل اور گھوڑ سوار سپاہی معرکوں کے سلسلہ میں مسلسل ایک مقام سے دوسرے مقام تک پھرتے رہتے۔ یہ سپاہی جب کسی گاؤں سے گذرتے یا کسی گاؤں میں قیام کرتے تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہاں کے عوام کی دولت سے کیا سلوک کرتے ہوں گے؟

کھڑی فصل میں سے گھوڑ سواروں اور سپاہیوں کا گذر عام تھا۔ سال بھر کی محنت اور پسینہ ٹپکا کر تیار کی گئی فصل دیکھتے ہی دیکھتے برباد ہو جاتی۔ جس راجہ کی حکمرانی میں رہتے، اسی راجہ کی فوج کا یہ رویہ تھا تو شکایت کس سے کی جائے؟ اور داد کون سنتا۔ نتیجہ اپنی قسمت کو الزام دینے اور کوسنے کے علاوہ دوسرا راستہ ہی کیا تھا۔ اس دور میں فوج کا یہ بے لگام رویہ عام تھا لیکن راجہ شیواجی نے اپنی

فوج کو حکم دیا کہ فوج کا کوئی دستہ کسی بھی فوجی مہم کے دوران کاشتکاروں کی کھڑی فصل میں سے نہ گزرے۔ کسی بھی طرح فصل کو نقصان نہ پہنچے۔

تصور کیجئے۔ اس عوام کے ردعمل پر جو برسہابرس سے یہ منظر دیکھتے رہے ہیں کہ ان کی کھڑی فصل میں سپاہی بے دردی سے گھس کر نقصان پہنچاتے اور ایک یہ راجہ کہ ان کی فصل سے نہ گذرنے کا حکم صادر کرتا ہے۔ راجہ کے سپاہی جب ان کے کھیتوں کے قریب سے گذرتے تو اس بات کا مکمل خیال رکھتے کہ فصل کو نقصان نہ پہنچے، رعیت کی کھڑی فصل کی فکر کرنے والا راجہ، ان کے حکم کو دل سے تسلیم کرنے والے فوجی، اور یہ سب جو کچھ کارکردگی ان سے سرزد ہوتی تھی اس کے بارے میں عوام کیا سوچتے ہوں گے؟ یہی کہ یہ راجہ، یہ فوج، اور یہ کام خود اپنا ہے اور ایسا احساس کیوں نہ پیدا ہو؟

اوروں کی طرف سے اس دور میں نہ صرف فصلوں کا نقصان ہوتا بلکہ فوجی اور ان کے سرداروں کا جس دیہات میں قیام ہوتا وہاں سپاہیوں کے گھوڑوں کا دانہ چارہ، گاؤں کی رعیت سے زور زبردستی وصول کیا جاتا۔ سپاہیوں کی سربراہی گاؤں والوں کو کرنا پڑتی۔ گاؤں کا پاٹل، کلکرنی، عوام کے پاس جو کچھ ہوتا وصول کرتا اور گاؤں میں آنے والے سپاہیوں کی میزبانی کرتا۔ سپاہیوں اور ان کے سرداروں کو جس دور میں یہ مفت خوری کی چٹک لگی وہیں عوام میں یہ احساس پیدا ہوا کہ انہیں جو کچھ نقصان اٹھانا پڑتا ہے یہ سب اوپر والے بھگوان کی طرف سے ہے۔ ایسے دور میں ایک مرد آہن آتا ہے۔ اور سخت حکم دیتا ہے۔ ''رعیت کی اگائی ہوئی سبزی کی ایک ٹہنی کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے''۔

فوجیوں کے گھوڑوں کو چارہ۔ دانہ درکار ہو تو نقد رقم دے کر خریدا جائے (ماخذ۔ جی این دیشپانڈے: چھترپتی شیواجی اور ان کے خطوط میں ص: ۱۵۷۔۱۵۸)

''سپاہیوں سے رعیت کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو''۔ یہ صرف حکم نہیں تھا بلکہ اس پر سختی سے عمل بھی ہوا۔ عوام کی محنت کا جو درد شیواجی کے دل میں پیدا ہوا۔ اسی وجہ سے شیواجی کو رعیت کا اعتماد حاصل ہوا۔ آج سابق کی طرح ''سردار'' بھی نہیں اور نہ گھوڑ سوار سپاہیوں کے دستے لیکن نئے سردار وجود میں آئے ہیں۔ گھوڑ سواروں کا دستہ موٹر سواروں کا دستہ ہے۔ آج کل مہم پر جانے کا سوال نہیں۔ لیکن آج کے سردار موٹروں کے قافلے کے ساتھ معائنہ کرنے، اور ملاقات کرنے مختلف

دیہاتوں میں قیام کرتے ہیں۔ آج کے سرداروں کا گاؤں میں کیا برتاؤ ہے۔ سربراہی کا خرچ یہ نئے سردار کیا اپنی کمائی اور اپنی تنخواہوں سے کرتے ہیں؟ گاؤں کا پاٹل، کلکرنی اور چھوٹے عملدار کیا صرف شدہ چیزوں کے لئے نقد ادا کرتے ہیں؟ کیا کرتے ہیں یہ لوگ؟ ان سرداروں کے مکانوں اور دفتروں میں شیواجی مہاراج کا فوٹو آویزاں ہوتا ہے، اور پھر مہاراج کی جئے جئے کار تو جاری رہتی ہی ہے، شیواجی سے انہوں نے کیا سیکھا؟ ان کا شیواجی کون ہے اور صحیح شیواجی کون ہے؟

رعیت کی سبزی کے ایک ٹہنی کو بھی ہاتھ نہ لگانے کے حکم کے بارے میں ان سے کہا جائے یا نہیں؟ سوراج (شیواجی کی حکومت) کی حفاظت کے کام میں عوام کو تکلیف نہ دینے کے لئے شیواجی نے بہت غور خوض سے کام لیا تھا۔ شیواجی کے دور حکومت میں رام چندر پنت آماتیہ (یہ شیواجی کے ایک اہم سردار اور ساتھی تھے: مترجم) کے جاری شدہ احکامات میں کس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھا گیا تھا۔ وہ ان احکامات کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ رعایا کے تعلق سے دل میں نرم گوشے، محبت اور پاک نقطۂ نظر سمجھنے کے لئے ان کے احکامات پڑھیں۔

راجہ کے بحری بیڑے کی تعمیر کے لئے لکڑی کی اہمیت محتاج تعارف نہیں۔ لکڑی کے بغیر بحری بیڑہ کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ اس دور میں جنگلات گھنے تھے۔ لکڑی کثیر مقدار میں مہیا تھی۔ اس کے باوجود ذیل میں دیا گیا حکم تھا ''سوراج میں آم، اناس کی لکڑی بحری بیڑے کے لئے ضروری ہے۔ لیکن اسے ہاتھ لگایا نہ جائے۔ اس لئے کہ یہ درخت ایک دو سال میں نہیں آتے۔ رعیت یہ درخت لگا کر بچوں کی طرح برسہابرس نگہداشت کرکے انہیں بڑھاتی ہے۔ ان درختوں کے توڑنے سے رعیت بے حد رنجیدہ ہوتی ہے۔ اگر کوئی درخت بہت پرانا اور غیر ضروری ہوگیا ہے تو اس کے مالک کو راضی کرکے اس کی قیمت ادا کرکے اسے خوش کرکے توڑا جائے'' (رام چندر پنت اماتے ''احکامات'' ایڈیٹر: پی۔ این۔ جوشی، ص: ۴۳۔۴۴)

مورخ راجواڑے کی تصنیف شدہ تاریخ کی آٹھویں جلد میں خود شیواجی مہاراج کے الفاظ تحریر ہیں۔ علاقہ کوکن میں چپلون کے قریب گھوڑوں کا ایک اصطبل ہے۔ عہدہ داروں کا رویہ کیا ہونا چاہئے، اس سلسلے میں خود راجہ کے الفاظ یہ ہیں ''بارش کا موسم قریب ہے۔ بڑی کوششوں سے جمع کیا ہوا گھاس پڑا ہے۔ کوئی انگیٹھی جلائے گا۔ کوئی چلم پی کر گھاس کو آگ لگا کر مصیبت مول لے گا۔ پورا اصطبل ختم ہوگا۔ گھوڑوں کو ختم کرنے کی ذمہ داری تم پر آئے گی۔'' یا پھر یہ حکم دیکھئے۔

''تمہیں پیسہ دیا گیا ہے۔ صرف ضرورت کی چیزیں بازار سے خرید کر لائیں۔ ایسا نہ کرتے ہوئے عوام کو اگر تکلیف دی گئی تو عوام کہیں گے کہ اس سے بہتر تو مغل تھے'' (پی۔ این۔ دیشپانڈے۔ چھترپتی شیواجی کے خطوط، ص: ۱۵۷۔۱۵۸) اسی لئے اس راجہ نے عوام کا اتنا اعتماد حاصل کیا۔

جس دور میں دوسرے راجاؤں کی افواج عوام کو غلام تصور کرتیں، رعیت کی دولت مال کو لوٹتیں اسے نقصان پہنچا کر رعیت کی بہو بیٹیوں کی عزت لوٹتیں۔ اس دور میں شیواجی مہاراج کی فوج کا برتاؤ عوام سے اتنا اچھا کیوں تھا؟ فوج میں یہ حیرت کن تبدیلی کیوں؟ اس کی وجہ کیا تھی؟

ان سوالات کے جوابات صرف شیواجی کے کردار کا مطالعہ کرنے سے نہیں ملیں گے یا ان کے احکامات کا مطالعہ بھی ناکافی ہوگا۔ اس کے لئے اس فوج کی تشکیل، اور یہ فوج جس مقصد کے لئے لڑ رہی تھی، اسے سمجھنا ضروری ہے۔

کاشتکاروں کی فوج

اس دور میں دوسرے راجاؤں کے سپاہی صرف اور صرف سپاہ گیری کرتے۔ لڑائیاں لڑنا ہی ان کا پیشہ تھا۔ یہ پیشہ زندگی گذارنے کا ذریعہ تھا۔ سال کے بارہ مہینے وہ اسی کام میں مشغول رہتے۔ جو سپاہی اپنے خاندانوں سے، گھروں سے اور اپنے کھیتوں سے، زراعتی کاموں سے دور رہتے ہیں۔ وہ عام طور پر بے قابو رہتے ہیں۔ انہیں کسی چیز کی پرواہ نہیں رہتی۔ ان سپاہیوں کی طبیعت میں اجڈ پن رہتا ہے، شادی شدہ اور بال بچے والے سال بھر سپاہ گیری کرنے والے فوجیوں میں رعیت کی کسی قسم کی فکر نہ کرنے کا رجحان رہتا ہے، ذہنی طور پر رعیت کی دولت اور اس کی آبرو کی حفاظت کے لئے وہ تیار نہیں رہتے۔

راجہ شیواجی کی فوج میں بارہ ماہی سپاہ گیری کرنے والے نہیں تھے۔ ایسا نہیں کہ ہمہ وقتی فوج راجہ شیواجی کے پاس نہیں تھی۔ لیکن اکثریت ایسے سپاہیوں کی تھی جو کھیتی بھی کرتی اور وہ لوگ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بھی رہتے ہوئے فوجی خدمات انجام دیتے۔ دسہرہ کی تقریبات سے فارغ

ہو کر علاقہ فتح کرنے نکلتے۔ اور اکثر دسہرہ کے دن سیمولنگن (ایک خاص تہوار۔ رسم) کر کے واپس آتے۔ پھر زراعتی مصروفیات میں لگ جاتے اور اس طرح اپنے بیوی بچوں کے ساتھ زندگی گذارتے۔ یہ اس دور کا رواج تھا۔ اپنی کھیتی اور اپنے خاندان کے ساتھ یہ زندہ اور مسلسل رشتہ رکھنے والے سپاہیوں کی ذہنی کیفیت کچھ اس طرح ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کی کھیتی اور دوسروں کے مال و دولت کی فکر کرتے۔ دوسروں کی بہو بیٹیوں کو احترام سے دیکھنے کی ذہنی کیفیت ان میں پیدا ہوتی۔ دوسروں کی فصلوں کو دیکھ کر انہیں اپنے کھیتوں کی فصلیں یاد آتیں۔ دوسروں کی بہو بیٹیوں کو دیکھ کر انہیں اپنی بہو بیٹیوں کی یاد آتی۔ اور اس طرح ظلم سے باز آتے۔ نقصان پہنچانے اور لوٹ مار کرنے سے باز رہتے۔ عزت لوٹنے سے گریز کرتے جو شخص زراعت سے تعلق رکھتا ہے وہ لوٹ مار کرنے والا نہیں ہوسکتا۔ فوج کا سپاہی سماج کے کس حصہ سے تعلق رکھتا ہے۔ کس طبقہ سے تعلق رکھتا ہے یہ سوال بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ یہاں ایک اور اہمیت کا موضوع ہے۔ دوسرے راجاؤں کے سرداروں کی فوج لوٹ مار کرنے والے سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ لوٹ مار کرنا یہ ان کا عین مقصد ہوتا۔ ان کو حکومت ہی اس لئے چاہئے تھی کہ لوٹ مار کریں۔ اس لئے یہ لوٹ مار کے سوا کیا کریں گے۔ فوجی طاقت کے بل بوتے پر عیش کی زندگی گذارنا ہی ان کی زندگی کا مقصد ہوتا تو پھر رعیت کی آبرو اور دولت کی پرواہ کیا کرتے۔ شیواجی کے کھیتی کرنے والے سپاہیوں کا مقصد لوٹ مار کرنا نہیں تھا۔ بلکہ ان چیزوں کو روکنا تھا۔ برسہا برس سے ہونے والی لوٹ مار کی روک تھام، ناانصافی کے خلاف لڑنے کے لئے جب یہ فوج کھڑی ہوئی تو پھر یہ لوٹ مار کیسے کرتی۔ ناانصافی کے خلاف جو کھڑا ہوتا ہے وہ خود کبھی ناانصافی نہیں کرتا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ شیواجی مہاراج کی فوج نے کبھی بھی اور کہیں بھی لوٹا نہیں ایسا نہیں ہے۔ دوسروں کے علاقوں میں جا کر ضرور لوٹا۔ سورت شہر کی لوٹ تو مشہور ہے مگر یہ لوٹ ضروری تھی، دولت کی لوٹ تھی، دوسروں کی عزت کی نہیں۔

یہاں ایک اور اہم نکتہ ہے، دوسرے راجے فوجیوں کو تنخواہ نہ دیتے بلکہ لوٹ کے مال میں حصہ دیتے۔ اس لئے سپاہی زیادہ سے زیادہ لوٹ مار کرتے۔ مگر شیواجی مہاراج نے لوٹی ہوئی دولت سے سپاہیوں کو تنخواہ دینے کا طریقہ بند کیا۔ مہاراج نے لوٹا ہوا حصہ خزانے میں جمع کرنے کا حکم دیا اور ان کی مقرر کردہ تنخواہ (محنتانہ) دینے کا رواج ڈالا۔ اس لئے لوٹ کرنے میں اور زیادہ سے زیادہ لوٹنے میں تعلق قائم نہ رکھا۔ لوٹ ملے یا نہ ملے۔ سپاہیوں کو تنخواہ ملا کرتی تھی۔ اس لئے بلا

وجہ لوٹ مار کرنا اور عیش و آرام کے لئے لوٹ مار کرنے کا رجحان قائم نہ رہا۔

(''چھتر پتی شیواجی۔ ستیو مادھو پگڑی:ص:۳۶۔۳۷)

مہاراج شیواجی کا کردار صاف ستھرا تھا۔ وہ سوچ سمجھ کر احکامات دیا کرتے تھے۔ احکامات کی خلاف ورزی کرنے والوں کو شدید سزائیں دی جاتیں۔ فوج کی تشکیل ان سپاہیوں پر مشتمل تھی، جو خود کاشتکار تھے۔ اور جن کا تعلق زراعت، اور اس کی پیداوار سے تھا۔ نقد تنخواہ دینے کا رواج قائم کیا اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ ان کا ردِّ عمل ناانصافی اور لوٹ مار کرنے والوں کے خلاف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی فوج اور دوسرے راجاؤں کی فوج میں یہ بڑا فرق تھا۔ مہاراشٹر کے عوام کے لئے یہ فوج لوٹ مار کرنے والی فوج نہ تھی بلکہ وہ اس فوج کو لوٹ مار کرنے والی فوج سے حفاظت کرنے والی فوج تصور کرتے تھے۔ اس لئے رعیت فوج کی معاون تھی اور فوج عوام کی حفاظت کرتی تھی۔

حکومت چلانے کے لئے فوج اور رعیت کے تعلقات میں یگانگی ضروری ہوتی ہے۔ فوج سے کسی قسم کے خوف کا احساس پیدا نہ ہونا ضروری ہے۔ فوج کی تشکیل ہی ایسی کی جائے کہ رعیت اور فوج ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہوں۔ تب ہی کامیابی ملتی ہے۔ دورِ جدید میں بھی عوام اور فوج کے تعلقات کے بارے میں اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔ ویٹ نام کی تازہ مثال اس ضمن میں دی جاسکتی ہے۔

تجارت اور صنعت کاری کی حفاظت

اپنے ملک کی اشیاء کی تجارت کو فروغ دینے کے لئے غیر ملک سے درآمد شدہ اشیاء پر زبردست ٹیکس لگا کر ملک میں پیدا کی گئی اشیاء کی حفاظت کی پالیسی پر آج بھی عمل کیا جاتا ہے۔ شیواجی مہاراج نے قرون وسطیٰ کے جاگیردارانہ نظام کے دور میں بھی اس قسم کا ٹیکس عائد کر کے دیسی تجارت اور صنعت کی ہمت افزائی کرنے کی پالیسی اپنائی تھی۔ ایسا صاف ظاہر ہوتا ہے۔

۶/دسمبر ۱۶۷۱ء کو مہاراج نے ایک مراسلہ کوکن میں واقع کڈال صوبہ دار نرہری آنند راؤ کے نام لکھا تھا۔ اس مراسلہ میں مہاراج نے لکھا ہے کہ مہاراج کی دوررس نگاہیں اپنی ریاست میں زراعت کے ساتھ ساتھ تجارت کی بھی فکر رکھتی ہیں۔

مہاراج کے دور میں مہاراشٹر میں ولندیزی تاجر بیوپار کرتے تھے۔ انہوں نے تجارت کے لئے اجازت مانگی اور مہاراج نے اجازت دی۔ لیکن کچھ پابندیوں کے ساتھ جس میں درآمد کے لئے محصول عائد کرنا شامل تھا۔ مہاراج نے ولندیزی کمپنی کو ۲۴/اگست ۱۶۷۷ء کو ایک قولنامہ دیا تھا۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ''جنجی صوبہ کے آس پاس ولندیزی کمپنی کو تجارت کی اجازت ہے۔ ولندیزی تاجروں کو کڈال میں درآمد مال پر ڈھائی فیصد محصول دینا پڑے گا'' (پی۔ این۔ دیش پانڈے۔ شیواجی مہاراج کے خطوط۔ ص:۱۴۶۔۱۴۷) اس میں مزید کہا گیا ہے کہ ''تمام درآمد مال پر پیشگی معلومات دینے پر مال کا گٹھا کھول کر دیکھا نہیں جائیگا۔ حولدار اور دوسرے عہدہ داروں کو ٹیکس دیئے بغیر کمپنی کا مال خریدنے پر پابندی رہے گی۔''

غلاموں کی تجارت پر پابندی

مندرجہ بالا قولنامہ میں غلاموں کی تجارت پر پابندی کے بارے میں ایک اہم دفعہ ہے جس پر آج تک زیادہ دھیان نہیں دیا گیا۔ لکھا ہے ''مسلمانوں کی حکومت میں کسی قسم کی پابندی کے بغیر تمہیں عورت اور مرد غلاموں کی خرید وفروخت کرنے کی اجازت تھی۔ لیکن اب میری حکومت میں عورت اور مرد غلاموں کی خرید وفروخت کرنے کی اجازت نہیں رہے گی۔ اگر تم نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو میرے لوگ تمہیں اس سے باز رکھیں گے۔ اس شرط پر سختی سے عمل کیا جائے'' (ستیو مادھو پگڑی۔ ص:۲۸۷ شیواجی)

جس دور میں بھارت میں کہیں کہیں غلاموں کی تجارت ہوتی تھی۔ ہندستانی عورتوں اور مردوں کو پکڑ کر زبردستی ملک کے باہر لے جایا جاتا تھا۔ اس دور میں شیواجی مہاراج نے رعیت کے افراد کو غلام بنا کر ان کی تجارت پر پابندی عائد کردی۔ ہر جگہ ہر معاملہ میں عوام کی ہر قسم کی فکر کرنا شیواجی مہاراج کی ریاستی پالیسی تھی۔

۳: دھرم پر شردھا مگر کسی دوسرے دھرم سے نفرت نہیں

شیواجی اور مذہب

سوال یہ پیدا ہوتا ہیکہ شیواجی مہاراج کا مذہب کے تعلق سے کیا نظریہ تھا؟ اس ضمن میں ان کا برتاؤ کیسا تھا؟ ہندو مذہب اور اسلام کے پیرو مسلمانوں سے ان کا برتاؤ کیسا رہا؟ تاریخی نقطۂ نظر سے یہ اہم سوالات ہیں۔ آج کے حالات کے پیش نظر یہ سوالات تو مزید اہمیت کے حامل ہیں۔ شیواجی ہندو تھے۔ اس کے علاوہ مہاراشٹر میں پیدا ہوئے۔ اور ان کی کرم بھومی بھی مہاراشٹر ہی تھی۔ اس لئے ہندوؤں کو شیواجی مہاراج پر ناز ہے اور یہ فطری چیز ہے اور یہ کوئی نامناسب بات بھی نہیں ہے۔ خود کی بڑائی، خود کے مذہب اور وطن کی فوقیت ہم مذہب اکابرین، ان کے نمایاں کارناموں کی تاباں و درخشاں تاریخ تحریر کرنا اور پڑھنا بھی انسانی فطرت کا تقاضہ ہے اور جب کسی علاقہ اور مذہب میں ایسے افراد کی ہوتی ہے ان گنے چنے افراد پر اتنا ہی زیادہ فخر ہوتا ہے۔

اس نکتہ کا ایک اور پہلو ہے۔ ہم مذہب اکابرین کے کردار کی جو عکاسی کی جاتی ہے وہ لاشعوری طور پر حقیقت سے زیادہ گہری ہوتی ہے اور موجودہ حالات کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جیسے جیسے یہ عمل جاری رہتا ہے اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ان اشخاص کی تصویر حقیقت سے پرے ٹیڑھی میڑھی ہوجاتی ہے۔ شیواجی مہاراج کے کارنامے، ان کا کاروبار، ان کا دور، ان کے اصلاحی اقدامات، اور خاص طور پر ان کا مذہب کے بارے میں زاویۂ نگاہ وغیرہ کے بارے میں عوام میں ان کی صحیح تصویر عوام کے سامنے آنے کی کئی وجوہات ہیں۔

مہاراشٹر کا ایک ان پڑھ فرد بھی شیواجی سے واقف ہے۔ ان کے تعلق سے کہانیاں، مقام، نام، واقعات، مواقع وغیرہ سے واقف ہے، یہ تفصیلات دیہاتوں میں ان پڑھ افراد تک کیسے

پہنچیں؟

شیواجی ان کا دور اور ان کی زندگی سے متعلق حیرت انگیز اور ڈرامائی واقعات پر مہاراشٹر میں بہت سارے لوک گیت لکھے گئے۔ شیواجی مہاراج کے دور سے آج تک مہاراشٹر میں ایک بھی ایسا شاعر نہیں گذرا جس نے شیواجی کی زندگی پر گیت یا لوک گیت نہ لکھا ہو۔ سبھی لوگوں نے ایسا کیا ہے اور یہ عام بات تھی اور جو واقعات لوک گیت میں تھے وہی واقعات عوامی قصے کہانیوں میں اور وہی واقعات کرتنوں میں، تماشوں میں، ڈراموں میں، اور آخر فلموں میں اور ان پڑھ شہریوں تک، یہ ساری باتیں انہیں ذرائع سے پہنچی ہیں۔ عمداً یا شرارت کی نیت سے حقائق کو مسخ کرنے یا لاعلمی سے جانبداری کو نظرانداز کرکے جو کچھ لکھا جاتا ہے یا اس کی اشاعت کی جاتی ہے تب بھی اس کے چند حدود مقرر ہیں۔

تفریح یا دل بہلائی کے ارادے سے لکھے گئے گیت، یا ڈرامے سننے یا دیکھنے کے لئے عوام کو آمادہ کرنے کی خاطر ان لوک گیتوں اور ڈراموں میں چمتکار کو کیا نظرانداز کیا جاسکتا ہے؟ مبالغہ آرائی سے کام نہ لیا جائے، رنگ آمیزی اور مرصع کاری نہ کی جائے، اور فوجی کارناموں کو صرف اعداد اور سنوں کی تک محدود رکھا جائے، متعلقہ کرداروں سے حیرت انگیز کارنامے نہ کروائے جائیں۔ تو ان ڈراموں، ناٹکوں کی دوسری مرتبہ نمائش بھی ناممکن ہوگی۔ سامعین کی ذہنی سطح کو سامنے رکھ کر لوک گیت تحریر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور پھر ان لوک گیتوں کے لکھنے والوں کی ذہنی سطح کی کچھ حد ہوتی ہے۔ اس لئے شیواجی کی جو تصویر سامنے آتی ہے اسے سمجھنے کے لئے ان ذرائع ابلاغ کے مندرجہ بالا حدود کو سامنے رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ مزید خود غرضی، تاریخ کو دیکھنے کا غلط انداز، تحقیقی مواد کی کمی، وغیرہ جیسے دوسرے عناصر بھی اس کے لئے ذمہ دار ہیں۔

شیواجی اور مسلمان

''شیواجی مسلمانوں کے مخالف تھے۔ ان کی زندگی کا کارنامہ مسلمانوں کے خلاف تھا وہ ہندو مذہب کے محافظ تھے۔'' ''ہندو پدپادشاہ تھے'' ''گو (گائے) برہمن پرتی پالک (گائے اور برہمن کا پاسبان) تھے وغیرہ'' ایسی تصویر عوام الناس کے ذہنوں میں موجود ہے۔

''شیواجی نہ ہوتے تو سب کی سنتا (ختنہ) ہوتی''۔ شاعر بھوشن کے اشعار کا لب لباب ہے۔ ''شیواجی کی لڑائی مذہبی لڑائی تھی۔'' ''شیواجی کے کارناموں کے پیچھے مذہبی جذبہ کارفرما تھا''۔ ''شیواجی نے مذہب کے لئے لڑائی کی''۔ ''چونکہ انہوں نے مذہب کے لئے لڑائی کی۔ اسی لئے فتحیاب ہوئے۔ صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو وہ ''پرمیشور کے اوتار تھے''۔ ''وہ شیو یا وشنو کے اوتار تھے۔ پرمیشور نے جو اوتار لیا۔ وہ مذہب کی حفاظت کے لئے تھا''۔ ''بھوانی ماتا نے شیواجی کو جو تلوار دی تھی وہ مذہب کی حفاظت کے لئے دی تھی۔'' شیواجی کے کارناموں کی بنیاد اگر مذہب نہ ہوتی تو شیواجی کامیاب نہ ہوتے'' وغیرہ وغیرہ ایسے تصورات عوامی ذہنوں میں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔

شیواجی کے تعلق سے یہ نظریات تاریخی سچائی کی بنیاد پر تحقیق کر کے دیکھے جائیں۔ ہم چونکہ ہندو ہیں اس لئے آج کل کے دور میں ان نظریات کے تقاضے صحیح ہیں۔ اس لئے اسے ایک اندھے عقیدہ کے طور پر قبول کرنا درست نہ ہوگا۔ یا اس کے برخلاف مسلمان بھی، ہم مسلمان ہیں اس لئے مسلمانوں کو ہندو دشمنی کی ترغیب دینا آج کی ضرورت ہے۔ بہت سارے ہندو چونکہ شیواجی مہاراج کی جئے کہتے ہیں اس لئے ہم شیواجی کو ہندو مذہب کا محافظ اور مسلمانوں کا دشمن'' اس نظریہ سے نہ دیکھیں اور یہ زاویہ نظر اتنا ہی غلط ہے جتنا ہندوؤں کا۔ لیکن حقیقت کیا ہے؟

''شیواجی، پرتاپ، پرتھوی راج وغیرہ وغیرہ''

اگر یہ صحیح مان بھی لیا جائے کہ شیواجی ہندو تھے یا ہندو مذہب کے محافظ تھے۔ اس لئے کامیاب ہوئے۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رانا پرتاپ سنگھ اور پرتھوی راج چوہان کیوں کامیاب نہیں ہوئے؟ دیکھا جائے تو بلاشبہ کھشتری تھے۔ راجہ شیواجی کی کھشتریت کے بارے میں تو کچھ شبہات تھے۔ شجاعت، قربانی، ضد، جنگ کشی کے بارے میں رانا پرتاپ اور پرتھوی راج شیواجی سے کم نہ تھے۔ بلکہ کچھ حد تک زیادہ ہی تھے۔ پھر بھی ایسا کیوں ہوا؟ مذہب کے لئے لڑائی ہوتی ہے تو راجہ شیواجی کامیاب ہوتے ہیں۔ جبکہ مذکورہ دونوں شکست کھا کر پراگندہ ہوتے ہیں۔ کیوں؟ اگر شری کی خواہش تھی کہ ان کا راج ہندوؤں کا راج ہو تو شری رانا پرتاپ اور پرتھوی راج چوہان

کے علاقوں میں ہندو راج ہونے کی کیوں خواہش نہیں کی۔

یہ کہنا کسی بھی طرح درست نہیں کہ راجہ شیواجی کو ہندو مذہب سے وفاداری تھی اسی لئے وہ کامیاب ہوئے۔ بلکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ مذہب کی حفاظت سے ہٹ کر وہ کچھ اور کرنے کے لئے نکل پڑے تھے۔ مان لیجئے کہ راجہ شیواجی کے دور میں اسلام کے ماننے والوں کے علاوہ کسی اور دھرم کے ماننے والے ہوتے اور اگر ہندو مذہب کے پیروؤں کی حکومت ہوتی تو کیا راجہ شیواجی مسلمانوں سے نفرت کرتے؟ شیواجی مسلمانوں کے خلاف کیوں لڑے؟ کیا اس لئے کہ وہ مسلمان تھے؟ یا اس لئے کہ وہ حکمران تھے۔ ان دونوں باتوں میں اہمیت کس کی ہے؟

کچھ مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری

ایسا نظر نہیں آتا کہ تمام مسلمان حکمران ہندوؤں کے اور مذہب کے بارے میں سخت رویہ رکھتے تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلم حکمرانوں نے ہندو مذہب کے بارے میں میانہ روی سے کام لیا۔ مہاراشٹر کے جن علاقوں میں شیواجی نے اپنے کارنامے انجام دیئے ان علاقوں میں مسلمان بادشاہوں نے ہندوؤں سے میانہ روی سے کام لیا۔ ان سے سیاسی اور خاندانی تعلقات کے کئی ثبوت ملتے ہیں۔ پارس نینس کی تصنیف ''مراٹھے سردار'' سے یہ ثبوت ملاحظہ فرمائیے۔

''نظام شاہی، قطب شاہی، اور عادل شاہی حکومتوں میں مراٹھوں کو بہت رسوخ حاصل تھے۔ نظام شاہی کا مورث اعلیٰ ''گانگوی'' بھیرن بھٹ کلکرنی کا لڑکا تھا جو مسلمان ہوا تھا۔ احمد نگر کے پہلے حکمرانوں کا باپ بھی ہندو ہی تھا۔ بیجاپور کی عادل شاہی کی بنیاد رکھنے والے یوسف عادل شاہ نے ایک مراٹھے کی لڑکی سے شادی کی تھی (یہی لڑکی بعد میں پونجی خاتون کے نام سے مشہور ہوئی جس نے عادل شاہی سلطنت میں بہت ہی موثر سیاسی کردار ادا کیا تھا: مترجم) بیدر کے قاسم برید (جو بریدشاہی کا بانی تھا) کے لڑکے نے ساباجی کی لڑکی سے شادی کی تھی۔ ان روایات کی وجہ سے ہندوؤں کے تعلق سے مسلم حکمرانوں میں نرم روی تھی۔ اسی وجہ سے ان پانچوں شاہیوں میں مراٹھوں کے رسوخ پیدا ہوئے تھے'' (مراٹھے سردار: از۔ پارس نینس)

اسی کتاب میں جسٹس رانا ڈے کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ ''شمال کے کٹر مذہبی

مسلمانوں کا جنوب کے مسلمانوں کے ساتھ تحقیر آمیز برتاؤ، بہمنی سلطنت میں ہندوؤں کے بارے میں اچھی رائے اور ان کا رسوخ محکمہ محصول اور مالی امور میں براہمنوں اور پر بھو ذات کے لوگوں کا عمل دخل جس کی وجہ سے سرکاری دفاتر میں مراٹھی زبان کا استعمال وغیرہ وغیرہ۔ ان وجوہات سے طاقت میں ایک توازن قائم ہوا۔ اور مراٹھی سرداروں کو ترقی دی جانے لگی۔ بادشاہوں کے ہندو لڑکیوں سے جسمانی تعلقات سے پڑنے والی چھاپ، اسلام قبول کرنے والے ہندوؤں کا اپنے قدیم ہم مذہب افراد سے قربت کا احساس، ان تمام وجوہات کی وجہ سے ہندوؤں کی ہمت افزائی ہوتی رہی۔ انہیں سہولتیں ملتی گئیں اور ساتھ ہی ساتھ اقتدار بھی''۔ (مراٹھے سردار: پارس نینس)

بہمنی خاندان کے بانی ''حسن گنگو بہمنی'' کے نام کے بارے میں تحقیق کی جائے تو کیا نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے؟ حسن جعفر نام کا ایک شخص ایک مسلمان گنگو نام کے ایک برہمن کے پاس ملازم تھا بعد میں وہ دہلی کے تغلق دربار میں اونچے عہدہ پر فائز ہوا۔ اور پھر وہ مہاراشٹر میں تغلق صوبہ کا سردار بنا۔ بعد میں اس نے تغلق سے بغاوت کی اور مہاراشٹر میں خود اپنی حکومت قائم کی۔ اپنے سابق آقا سے عقیدت اور اس کے احسان کو یاد کر کے خود حسن گنگو بہمنی کہلوایا۔ یعنی نصف مسلمان نام اور نصف ہندو۔ اور نئی قائم شدہ حکومت کا بہمنی نام رکھا۔ یعنی اپنے ایک برہمن سے تعلق کو اجاگر کرنے کے لئے۔

ہندو مسلم تعلقات میں مسلسل شدت کی دشمنی رہتی تو کیا یہ ممکن تھا؟

جب تک حکومت کو ہندوؤں سے دشمنی پیدا نہیں ہوئی اور جب تک ہندو سردار اپنے بادشاہ کی مدد کرتے رہے تب تک مسلمان حکمراں ہندوؤں سے میانہ روی کا برتاؤ کرتے رہے۔ اگر ان کی حکومت کو دھوکہ پیدا ہوتا تو کیا ہندو کیا مسلمان، سختی سے برتاؤ کرتے۔ کیونکہ سوال ہندو اور مسلمان کا نہ تھا۔ بلکہ ان کی حکومت کے لئے خطرے کا تھا۔ یہ کہنا صحیح نہیں کہ دہلی کے تمام سلطان سخت گیر تھے۔ اکبر کی رواداری سب کو معلوم ہے۔ اکبر کی رواداری نے تو ہندوؤں اور مسلمانوں کے ملے جلے عقائد کی بنیاد پر ایک نئے مذہب ''دین الٰہی'' قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس دور میں مشترکہ تہذیب نے کافی ترقی کی۔ ٹوڈرمل نے جو اس کا ایک ہندو وزیر تھا، اپنے عقائد کو موثر طور پر استعمال کیا۔ شاہ جہاں کے پاس ایک اونچی ذات کا تلنگ برہمن جگناتھ پنڈت تھا جو سنسکرت زبان میں شاعری کرتا تھا۔

پنڈت راج جگناتھ کے متعلق ایک واقعہ مشہور ہے۔ شاہ جہاں کے دربار کے اس پنڈت کو جے پور کے راجہ نے اپنے پاس بلانا چاہا، تاکہ اس ہندو راجہ کے دربار کی شان و وقار میں اضافہ ہو۔ لیکن راجہ کی دعوت پر پنڈت جگناتھ نے جو جواب دیا وہ بڑا دلچسپ ہے۔ اس نے جواب میں لکھا کہ

''میری خواہشات کو پورا کرنے کی طاقت یا تو دلیشور (دلی کے راجہ) یا جگدیشور (پرمیشور) ان دونوں کے پاس ہی ہے۔ باقی راجہ مجھے کچھ دینا بھی چاہیں تو میرے نمک مرچ کی حد تک کی ضروریات پوری کریں گے''۔ دلیشور (دلی کی بادشاہی) کی ذات یا مذہب کی کوئی اہمیت نہیں ہے بلکہ وہ جو دیتا ہے اس کی اہمیت ہے۔ شاہجہاں کا لڑکا دارا سنسکرت جانتا تھا۔ اس کی نشست کاشی کے سنسکرت پنڈتوں کے ساتھ ہوا کرتی تھی۔ اسی دور میں ''چھاندوگے، اپنشد، برہدا، اپنشد ینوپ نیشد اور مروجہ اپنیشدوں کے وزن پر الوپنیشد جیسی کتابیں تحریر ہوئیں۔

B. Hasrat,Dara Shikoh:Life & Works ۔ مشہور مورخ شیخ واکر (Shej walker) نے تو تحریر کیا کہ اورنگ زیب کے بجائے اس کا بھائی دارا شکوہ حکمراں بن جاتا تو اس عظیم ملک میں اتحاد قائم رہتا اور ملک مستحکم ہوتا اور ہندوستان میں ایک طاقتور ملک بننے کی بنیادیں پڑ جاتیں۔ المختصر یہ تمام مسلمان و ہندو آپس میں دشمن نہیں تھے۔

شیواجی کے مسلمان سردار

راجہ شیواجی کے پاس بہت سارے سردار، وطن دار، جاگیر دار، اور دوسرے ملازم مسلمان تھے۔ یہ تمام لوگ بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ شیواجی کے توپ خانے کا سردار ایک مسلمان تھا۔ اس کا نام تھا ابراہیم خان۔ توپ خانہ درحقیقت فوج کا سب سے زیادہ اہمیت کا حامل شعبہ تھا اس دور میں توپ خانہ انتہائی موثر ہتھیار تھا۔ قلعوں کی لڑائی میں تو اس کی بہت بڑی اہمیت تھی۔ اور ایسے اہم توپ خانے کا سربراہ ایک مسلمان تھا۔ کہا جاتا ہے کہ چھترپتی شیواجی کی دوراندیشی کی مثال ان کے تشکیل کردہ بحریے سے ملتی ہے اور یہ صحیح بھی ہے۔ کوکن پٹی کا طویل جغرافیائی محل وقوع اور سمندر سے قربت اس بات کی متقاضی تھی کہ اس کی حفاظت کے لئے بحریہ کی تشکیل کی جائے اور یہ کام

شیواجی نے کیا۔ اوراس اہمیت کے حامل شعبہ کا سربراہ بھی ایک مسلمان سردار تھا جس کا نام دولت
خان یعنی دریا سارنگ دولت خان تھا۔

شیواجی کے خاص بااعتماد محافظوں میں ایک مداری مہتر بھی شامل تھا۔ آگرہ سے شیواجی کی
ڈرامائی فراری میں اس بااعتماد مسلمان ساتھی نے راجہ شیواجی کی مدد کیوں کی؟ شیواجی مہاراج اگر
مسلم دشمن ہوتے تو کیا یہ واقعہ ممکن تھا؟ شیواجی کے پاس ایسے بہت سارے مسلمان نوکر تھے۔ ان
میں ایک قاضی حیدر تھا۔ سالیری کی لڑائی کے بعد دکن میں تعینات اورنگ زیب کے عہدہ داروں
نے شیواجی سے تعلقات قائم کرنے ایک برہمن وکیل کو روانہ کیا تھا۔ اس کے برخلاف شیواجی نے
قاضی حیدر کو مغلوں کے پاس روانہ کیا۔ یعنی مسلمانوں کے وکیل ہندو اور ہندوؤں کا وکیل مسلمان
، اس دور میں سماج کی تقسیم ہندو اور مسلم کی بنیاد پر ہوتی تو کیا یہ سب ممکن تھا؟ سدی ہلال نام کا ایک
مسلمان سردار شیواجی کے پاس تھا۔ ۱۶۶۰ء میں رستم زماں اور فاضل خان کو رائے باغ کے قریب
شیواجی نے شکست دی۔ اس وقت سدی ہلال شیواجی کی طرف سے لڑا۔

۱۶۶۰ء میں جس وقت سدی جوہر نے پنہال گڈھ کے قلعہ کا محاصرہ کیا تھا اس وقت نیتاجی
پالکر (راجہ شیواجی کا مشہور سردار) نے اپنی فوج کے ذریعے اس محاصرہ کو توڑنے کی کوشش کی تھی۔
اس وقت بھی سدی ہلال اور اس کا لڑکا نیتاجی پالکر کے ساتھ تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ سدی ہلال کا
لڑکا زخمی ہوکر گرفتار بھی ہوا تھا۔ یعنی ہندو شیواجی کی طرف سے مسلمان سدی ہلال اپنے لڑکے کے
ساتھ مسلمانوں کے خلاف لڑتا تھا۔ اگر اس لڑائی کی صورت ہندوؤں کے خلاف مسلمانوں کی لڑائی
کی ہوتی تو کیا ایسا ممکن تھا؟ سبھا سد بھکر ایک تاریخی ماخذ) کے صفحہ ۶۷ پر شیواجی کے ایک مسلمان
سردار کا ذکر آیا ہے۔ اور اس کا نام ہے شاما خان۔ مشہور مورخ راجواڑے کی کتاب ''مراٹھوں کی
تاریخ کے ذرائع'' کی جلد ۱۷ صفحہ ۱۷ پر نور خان بیگ کا تذکرہ شیواجی کے سرنوبت ایک (ایک
عہدہ) کی حیثیت سے آیا ہے۔ یہ سردار اکیلے نہیں تھے۔ بلکہ ان کے تحت مسلم سپاہی بھی شیواجی کے
نوکر تھے۔

اس سلسلے میں ایک اور اہم ثبوت مہیا ہے۔ جس سے مسلمان سپاہیوں کے بارے میں
شیواجی کی پالیسی کا اظہار ہوتا ہے۔ مشہور مورخ ''ریاست کار سردیسائی'' کی تصنیف ''شک کرتا
شیواجی'' میں تحریر ہے کہ۔۔۔ ۱۶۴۸ء کے بیجاپور کی فوج کے لگ بھگ پانچ سے سات سو پٹھان

سپاہی شیواجی کے پاس ملازمت کے لئے آئے۔ شیواجی کے ایک رفیق گوماجی نائیک نے انہیں جو
مشورہ دیا اسے شیواجی نے مناسب مان لیا اور آئندہ کے لئے یہ لائحہ عمل جاری رکھا۔ نائیک نے جو
مشورہ دیا وہ یوں تھا۔ ''آپ کی ہردلعزیزی سن کر یہ لوگ آئے ہیں۔ اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ
دیں۔ اس مقصد کے ساتھ حکومت کرنا کہ صرف ہندوؤں کو جمع کیا جائے اور دوسروں کو نظر انداز کیا
جائے ناممکن ہے۔ جس کو راج کرنا ہے۔ اسے ہر ذات اور ہر قوم کو اپنے اپنے مذہب پر قائم رکھتے
ہوئے اپنے پاس جمع کرنا چاہئے''۔

۱۶۴۸ء میں بھی شیواجی کو اپنی حکومت قائم کرنے اور حکومت قائم کرنے کے لئے کیا لائحہ
عمل ہونا چاہئے اس بات کا احساس تھا وہ اس مثال سے ظاہر ہوتا ہے۔

گرانٹ ڈف نے (جس نے شیواجی کی سوانح لکھی ہے) اپنی تصنیف شیواجی کی سوانح
کے صفحہ ۱۲۹ پر گوماجی نائیک کے مندرجہ بالا مشورہ کا ذکر کیا ہے اور تحریر کیا ہے کہ ''اس کے بعد شیواجی
نے اپنی فوج میں مسلمان سپاہیوں کو بھی شامل کیا۔ اور شیواجی کے حکومت قائم کرنے میں یہ پالیسی
بہت فائدہ مند ثابت ہوئی۔'' (Grant Duff:- History of Marathas)

شیواجی کے سردار اور سپاہی صرف ہندو نہیں تھے بلکہ ان میں مسلمان بھی شامل تھے۔ یہ
صاف ظاہر ہے شیواجی کو اگر مذہب اسلام ختم کرنا تھا تو پھر مسلم سپاہی شیواجی کی فوج میں باقی نہیں
رہتے۔ درحقیقت شیواجی کے پیش نظر ظلم کرنے والے حاکموں کا تسلط ختم کرنا تھا۔ عوام کی عوام کے
لئے حکومت قائم کرنے نکلے تھے۔ اس لئے مسلمان بھی ان کے اس کام میں معاون و مددگار بن
گئے تھے۔

اصل مدعا مذہب نہیں تھا۔ حکمرانی کا مدعا تھا۔ مذہب بنیادی مسئلہ نہیں تھا۔ حکمرانی زیادہ
اہمیت رکھتی تھی۔ مذہب سے لگاؤ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ حکومت اور حکومت سے لگاؤ اہمیت کا حامل تھا۔

مسلمان حکمرانوں کے تحت ہندو سردار

جس طرح شیواجی کے پاس مسلمان سردار اور مسلمان سپاہی تھے۔ اسی طرح مسلمان
حکمرانوں کے پاس ان گنت مراٹھے۔ اور ہندو سردار تھے۔ ان کی فہرست تو طویل ہے۔

شیواجی کے والد (شاہ جی) بیجاپور کی عادل شاہی میں ایک نمایاں سردار تھے۔ شاہ جی مہاراج کے خسر لکھوجی جادھو نظام شاہی کے مہاراشٹر میں ایک منصب دار تھے۔ جاولی کے مورے، پھلٹن کے نمبالکر، ساونت واڑی کے کھیم ساونت، شنکر منگرا پور کے سوویہ راؤ یہ سب عادل شاہی کے منصب دار تھے۔

جس فوج کی مدد سے، اور جس کے داؤ پیچ سے شیواجی مہاراج کو شکست قبول کرنی پڑی اور شرمناک صلح کے ذریعے اپنے بیٹے سنبھاجی کے ساتھ آگرہ جاکر قید ہونا پڑا، وہ شمال کا سردار مرزا راجہ جے سنگھ تو اصل ہندو راجپوت تھا۔ جو خود اگرچہ شہنشاہ کے پاس اونچے مرتبہ پر تھا، مگر تھا تو وہ شہنشاہ کا نوکر۔ مرزا راجہ جے سنگھ نے شیواجی کے خلاف فوج کو لے کر جو پیش قدمی کی تھی، اس کی فوج میں کئی ہندو تھے، جاٹ تھے، مراٹھے تھے، راجپوت تھے۔ سرداروں میں راج رائے سنگھ، سوڈیا، سجن سنگھ بندیلہ، ہری بھان گوڑ، اودے بان گوڑ، شیر سنگھ راٹھور، چتر بھج چوہان، چتر سین اندر بھان بندیلہ، باجی چندر راؤ، گووند راؤ وغیرہ وغیرہ تھے۔

کونڈانہ کا قلعہ فتح ہوا۔ تاناجی مالوسرے مارا گیا۔ کونڈانہ کا قلعہ سنہ گڈھ فتح ہوا۔ اس لڑائی میں کونڈانہ کا قلعہ دار اودے بھان ایک ہندو راجپوت تھا۔ اور وہ مسلم حکمراں کا قلعہ دار تھا۔ اکبر کے پاس پانچ سو سے زائد منصب دار تھے۔ اس میں ہندو سرداروں کی تعداد ۲۲۵ تھی۔ شاہ جہاں کے دور حکومت میں ان کی تعداد ۲۲ء۴ تھی۔ تمام مسلم حکمرانوں میں سب سے زیادہ کٹر مسلم کی حیثیت سے، مشہور اورنگ زیب کے ابتدائی دور میں ہندو منصب داروں کی تعداد ۲۱ء۶ % ہوئی تھی وہ بڑھ کر ۳۱ء۶ ہوئی (اطہر علی صفحہ ۳۰)

اورنگ زیب نے راجہ جسونت سنگھ کو جو راجپوت ہندو تھا، دکن کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اسی اورنگ زیب کا پہلا وزیر رگھوناتھ داس نامی ہندو تھا۔ وہ خود راجپوت ہوتے ہوئے بھی راجپوتوں کے خلاف لڑا۔ رانا پرتاپ سنگھ کی فوج کا سیناپتی حکیم نور خان ایک مسلمان تھا۔ پانی پت کی لڑائی میں پیشواؤں کے توپ خانہ کا چیف ابراہیم خان گاردی تھا۔

جو ہندو، مسلمان حکمرانوں کے تحت ایمانداری سے ملازمت کرتے تھے۔ اور اپنے آقا سے وفاداری کرتے ہوئے ہندوؤں سے لڑتے تھے، انہیں اس دور میں مذہبی بے ایمان نہیں کہا جاتا تھا۔ مذہب سے وفاداری سے زیادہ اپنے آقا سے وفاداری کو زیادہ قبولیت حاصل تھی۔ عہد قدیم اور

عہد وسطیٰ میں مذہب کے لئے جنگیں نہیں ہوتیں۔ بلکہ اس کی بنیادی وجہ حکومت حاصل کرنی تھی۔ حکومتیں حاصل کرنا اور انہیں قائم رکھنا، اصل مقصد تھا۔ اگر ضرورت ہوتی تو محدود پیمانہ پر مذہب کا استعمال ہوتا۔ لیکن یہ کبھی بھی جنگیں کرنے کا عین مقصد نہ ہوتا۔ ایسی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

مسلمانوں کے خلاف مسلمان: ہندو کے خلاف ہندو ہندو مسلمان کے خلاف ہندو مسلمان

شیواجی مہاراج کے پاس مسلمان سردار، سپاہی اور نوکر تھے اور مسلمان حکمرانوں کے پاس ہندو سردار اور سپاہی تھے۔ اس دور میں اگر دیکھا جائے کہ کون کس فرق سے لڑ رہا ہے تو ایسا نظر نہیں آتا کہ ہندوؤں کے خلاف مسلمان لڑ رہے تھے۔ یعنی لڑائیاں ذات پات کی بنیاد پر نہیں تھیں۔ مسلم حکمرانوں کے درمیان بھی لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ ابراہیم لودی جو دہلی کا حکمراں تھا اس کو شکست دینے والا بادشاہ بابر مسلمان ہی تھا۔ اور اسی نے مغل سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ ہمایوں اور شیر شاہ سوری دونوں ہی مسلم بادشاہ تھے۔ مگر ان دونوں میں خونریزی ہوئی۔ بیجاپور اور گولکنڈہ دونوں ہی مسلم شاہیاں تھیں۔ مگر اورنگ زیب نے مسلمان ہوتے ہوئے بھی ان سے طویل معرکہ آرائی کی۔ یعنی اہم چیز مذہب نہیں تھی۔ حکمرانی اہم تھی۔ مذہب کی ثانوی حیثیت تھی اور حکمرانی کو فوقیت تھی۔

ہلدی گھاٹ کی مشہور لڑائی میں ایک طرف رانا پرتاپ تھا اور دوسری طرف اکبر۔ راجستھان میں راجپوت اور رانا پرپاپ کے نقطۂ نظر سے یہ لڑائی انتہائی اہمیت کی حامل تھی۔ لیکن ہلدی گھاٹ کی لڑائی کو کیا ہندو اور مسلمان کے درمیان لڑائی کہا جاسکتا ہے؟

مسلم بادشاہ اکبر کی فوج کی قیادت راجپوت سردار مان سنگھ نے کی۔ اکبر کی فوج میں ساٹھ ہزار مغل تھے اور چالیس ہزار راجپوت سپاہی تھے۔ رانا پرتاپ کی فوج میں چالیس ہزار راجپوت سپاہی تھے جس کی قیادت حکیم خان نور نے کی اور جس میں پٹھان سپاہیوں کا ایک بڑا دستہ تھا اور تاج خان پٹھان کا گھوڑ سوار دستہ بھی شامل تھا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ خود رانا پرتاپ کے توپ خانہ کا چیف بھی ایک مسلمان سردار تھا۔ (ہندو مسلم تناؤ اور فرقہ پرستی کا دھوکہ: ناگو اپر کاش۔ صفحہ ۹)

اورنگ زیب کے دور میں گرو گووند سنگھ مسلم مرکزی حکومت کے خلاف لڑے، لیکن سکھوں

کے ساتھ کئی ہزار مسلمان شریک تھے۔اورنگ زیب کے انتقال کے بعد اس کے جانشینوں میں جو معرکہ آرائی ہوئی اس میں سکھوں نے بہادر شاہ کی مدد کی۔

جاٹوں، مراٹھوں، راجپوتوں اور سکھوں میں جو بغاوت کا جذبہ پیدا ہوا اس میں مذہب کو کم دخل تھا۔اصل وجہ مرکزی حکومت کا سخت گیر رویہ تھی۔اس دور میں اپنے حاکم سے وفاداری کا تصور اتنا قوی تھا کہ ہم مذہبی کا خیال نہ کرتے ہوئے سردار جاگیردار اور سپاہی اپنے حاکم کی خدمت کرتے۔جاگیردارانہ نظام میں سپاہیوں میں ہندو راشٹرواد یا اسلام کی اشاعت کا جذبہ نہ ہوتا۔حکمراں جب تک اپنے پیٹ کا خیال کرتا ہے تب تک ایمانداری سے ملازمت کی۔یہ اصول تھا اس دور کا۔

منادر کی لوٹ، منادر شکنی وغیرہ

ہندو تنظیموں کی یہ دلیل ہے کہ ''مسلمان حکمراں ظالم تھے۔انہوں نے مندر گرائے۔ان کے مقدس مقامات پر حملہ کیا۔مذہب کو پامال کیا اور تمام مسلمان ہندوؤں کے خلاف ہوتے ہیں اور آج بھی ہیں۔چونکہ وہ ہندو مخالف ہیں اس لئے ہندوؤں کو بھی ان کے خلاف ہونا چاہئے''۔

اور جس طرح مذہبی بنیادوں پر تشکیل شدہ ہندو تنظیمیں ایسی دلیلیں پیش کرتی ہیں، اسی طرح مذہبی بنیادوں پر تشکیل شدہ مسلم تنظیمیں بھی اس قسم کی دلیلیں پیش کرتی ہیں۔صرف تھوڑے فرق کے ساتھ۔

''ہمارے آباء واجداد نے ہندو مذہب ختم کرنے کے لئے جو کچھ کیا وہ ٹھیک تھا۔ہو سکے تو ہم بھی اسی طرح کریں گے۔کم از کم ہم ہندوؤں کے خلاف ہی رہیں گے۔''اس قسم کے خیالات کی ترویج ہوتی رہی ہے۔انہیں اس بات کا بھی احساس ہے کہ ہماری حیثیت حکمرانوں کی نہیں ہے اور اسی جذبہ سے ان کی کوششیں منظم ہونے کی ہیں۔

جارح مسلم افواج نے اقتدار حاصل کرتے وقت اور توسیع سلطنت کے لئے مندروں کو توڑا اور لوٹا۔اس بات میں آدھی سچائی ہے۔عرب، ترک، افغان وغیرہ فوجیں مختلف دستوں کی شکل میں جارح ہوتیں۔اور ان فوجیوں کو باقاعدہ تنخواہ نہ دی جاتی۔انہیں لوٹ کی چھوٹ تھی۔اور

لوٹے ہوئے مال کے حصہ سے ان کی اپنی تنخواہ لینے کا رواج تھا۔ہندوؤں کے مندروں میں خوب دولت جمع ہوا کرتی۔جارح فوجیں دولت لوٹتیں۔منادر گرا کر لوٹ مار کرتیں۔وادیوں اور پہاڑوں میں واقع مندروں میں دولت پائی نہیں جاتی تھی لیکن اس میں بت ہوتے، چنانچہ ایسے منادر کی طرف یہ جارح فوجیں رخ نہیں کرتیں۔اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ ان کے پیش نظر دولت حاصل کرنا تھا۔مندر گرانا نہیں۔

اصل مقصد دولت لوٹنا تھا مذہب کی حیثیت ثانوی تھی۔اصل مقصد پورا کرنے کے لئے مندر ڈھائے جاتے۔لوٹ کا زیادہ حصہ حکمرانوں کے لئے جاتا۔حکمرانوں کی آمدنی میں اضافہ کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ تھا۔مندروں کے اطراف واکناف میں رہنے والوں کو مایوس کرنا ان کے لڑنے کے جوش وخروش کو کم کرکے ان میں خوف پیدا کرنا بھی ایک وجہ تھی۔جس کے لئے مندر ڈھائے جاتے تھے۔مندروں اور دیوی دیوتاؤں پر زبردست اندھا اعتقاد ہوتا۔اس لئے جب مندروں کو توڑا جاتا تو یہ ڈر پیدا ہوتا کہ جب مندر کو لوٹا جاسکتا ہے تو ہماری کیا حیثیت۔

اتنے چمتکار والا دیو جب کچھ نہیں کرسکتا تو ہماری کیا حیثیت۔ایسی ناامیدی پھیلتی اور اس کے لئے کوئی بھی علاقہ بآسانی فتح کیا جاسکتا۔

اس دور میں مندر صرف مذہب کے مراکز نہ ہوتے تھے۔وہ دولت کے بھی مرکز ہوتے۔انہیں اعزاز بھی حاصل تھا اور وہ اقتدار کے بھی مراکز تھے۔مندر لوٹنے کا ایک اور فائدہ بھی ہوتا ''ہم کافروں کے مندر ڈھاتے ہیں اور ان کا مذہب ختم کرتے ہیں''۔اس قسم کی باتوں سے ان کی لوٹ کو قبولیت حاصل ہوتی۔کٹر ملاؤں اور مولویوں کی معرفت سے مسلم سماج کی تائید حاصل کرنے میں آسانی ہوتی۔اپنی بداعمالی پر پردہ ڈالنے کے لئے مذہب کا استعمال کیا جاتا۔

پہلے لوٹ مار بعد میں انعام

حکومت قائم کرنے اور اس کی توسیع میں جو مسلمان مندر لوٹتے اور پھر ایک مرتبہ جب حکومت قائم ہوجاتی یا حکومت کو استحکام حاصل ہوتا تو مندروں کو انعامات دئے جانے کی کئی مثالیں سامنے آتی ہیں۔اورنگ زیب جیسا کٹر مذہبی اور مذہبی جنون رکھنے والا جس نے حکومت کی توسیع

کے لئے جو حملے کئے اس وقت اس نے مندر گرائے یہ صحیح ہے۔ لیکن اسی اورنگ زیب نے کئی مندروں کو دولت سے نوازا۔ احمد آباد کے جگناتھ مندر کو دوسو گاؤں انعام دیئے۔ متھرا اور بنارس کے مندروں کو اس نے عطیات دیئے۔ افضل خان نے پنڈھر پور (مہاراشٹر میں مشہور وٹھل کا مندر ہے) اور تلجا پور (ضلع عثمان آباد میں واقع جہاں تلجا بھوانی کا مشہور مندر ہے) کے مندروں کی مورتیوں کی توڑ پھوڑ کی یا نہیں اس معاملہ میں واقفیت کاروں کی مختلف رائیں ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس نے مورتیوں کو توڑا۔ لیکن Shejvalker (مہاراشٹر کے مورخ) کا کہنا ہے کہ ایسا نہیں کیا گیا۔ کیونکہ موجودہ مورتیاں بہت قدیم ہیں۔ (ٹی۔ایس۔شیجوالکر: شیوا چھترپتی، صفحہ: ۳۵۶)

افضل خان صوبہ وائی کا صوبہ دار تھا۔ اس نے اپنے دور میں برہمنوں کی پرانی جاگیریں جاری رکھیں اور نئی جاگیریں عطا کیں۔ اس سلسلہ میں بہت ساری تحریریں ہیں۔ جو صحیح بھی ہیں۔ افضل خان کا جہاں ذکر ہے کہ اس نے تلجا پور کا مندر توڑا وہیں یہ بھولنا نہیں چاہئے کہ افضل خان کے ساتھ پلا جی موہیتے، شنکر راؤ جی موہیتے، کلیان راؤ یادو، نائیک جی سراٹے، ناگو جی پانڈھرے، پرتاپ راؤ مورے، جھنجھا راؤ گھاٹکے، کاٹے، باجی گھور پڑے اور سمبھا جی راؤ بھوسلے وغیرہ سردار ساتھ تھے۔

۱۷۹۱ء میں مراٹھوں نے شاردا، شری نگری کے مندر لوٹتے ہوئے مندر کی جو توڑ پھوڑ کی تھی۔ اسے مسلمان ٹیپو سلطان نے درست کیا تھا۔ اور یہ سب کو معلوم ہے کہ حکومت کے استحکام کے بعد مندروں کو انعامات کیوں دیئے گئے۔ عطیات اور انعامات لے کر اگر ہندو رعایا خوش رہتی اور کسی قسم کی تکلیف نہ دیتی تو مسلم حکمرانوں کو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے تھا۔ مندروں کو گرانا اور لوٹنا بھی ایک وجہ تھی اور مندروں کو انعام دینا اور ان کی تعمیر نو کرنا اس کے لئے بھی ایک وجہ تھی۔

پہلے حکومت بعد میں مذہب

یہ صحیح نہیں ہے کہ صرف مسلم حکمران ہی مندر لوٹتے تھے۔ ہندو راجہ بھی دولت کے لئے مندر لوٹتے تھے۔ کشمیر کا ہرش دیو راجہ بھی ہندوؤں کے مندر لوٹتا تھا۔ دھات حاصل کرنے کے لئے مورتیاں پگھلانا اور مورتیاں پگھلانے سے قبل مورتیوں پر انسانی غلاظت، پیشاب ڈال کر ان

مورتیوں کے تقدس کو ختم کرنا۔ اس کے متعلق تفصیلات کلہان کی ''راج ترنگی'' نام کی کتاب میں موجود ہیں۔ مورتیوں کے تقدس کو ختم کیا گیا اس لئے دنگے فساد ہوئے اس کی تفصیلات کہیں بھی نہیں ملتیں۔

ہرش دیو نے آمدنی کے لئے جو کھاتہ کھولا تھا، اس میں اس قسم کی حاصل شدہ دولت کا اندراج ''دیو پتاڈن'' (دیو سے حاصل شدہ آمدنی) نامی کھاتے میں کرتا تھا۔

H. Mukhia : Medieval Indian History & Commercial Approach in Communal Writing of indian History : Page 34

مسلمانوں کی حکمرانی میں اگر مذہبی رہنما حکومت کے لئے پریشانی کا باعث بنتے تو ان مذہبی رہنماؤں کی بھی پرواہ نہ کی جاتی اور انہیں اذیتیں دی جاتیں۔

مورخوں نے محمد تغلق پر ملا اور سید کے قتل کا الزام درج کیا ہے۔ کچھ مورخوں نے لکھا ہے کہ مذہبی رہنما جہانگیر سے اتنا گھبراتے تھے کہ اس کے آنے پر چھپ جاتے۔ مندرجہ بالا حقائق سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ اس دور میں حکمرانوں کے نزدیک حکومت کی اہمیت تھی۔ مذہب کی اتنی اہمیت نہیں تھی۔ خود کی حکمرانی قائم کرنا۔ اس کے استحکام کے لئے انہوں نے مذہب سے ضرور مدد لی۔ مگر ان کے لئے مذہب اتنا اہم نہیں تھا۔ حکمرانی کی اہمیت تھی اور یہی سچائی بھی ہے۔

شیواجی مہاراج کی مراٹھوں اور ہندوؤں کے خلاف لڑائیاں

شیواجی مہاراج کو خود کی حکومت قائم کرنے کے لئے چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ اس دور میں مسلم حکمران تھے۔ اس لئے ان کے خلاف لڑنا ہی پڑا۔ لیکن خود مراٹھوں کے خلاف بھی نہیں کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ تاریخ میں ان تمام لڑائیوں کی تفصیلات محفوظ ہیں۔ اس کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔

ریاست کار سردیسائی مہاراشٹر کے مشہور مورخ نے اپنی تصنیف ''ریاست'' میں کہتے ہیں ''بیجا پور سے لڑائی ہندو مسلم لڑائی نہیں تھی اور اس کو ہندو مسلم لڑائی کا رنگ دینا ناممکن تھا۔ شیواجی کی سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ بیجا پور والوں کے تحت بڑے بڑے مراٹھا سردار گھرانے تھے۔ اوران

کے دلوں میں شیواجی کے بارے میں کسی قسم کا احترام وعزت نہیں تھی۔ گھور پڑے، مورے، ساونت، دلوی، سرودے، نمبالکر وغیرہ کئی سو سردار شروع سے ہی شیواجی کے خلاف تھے۔

یہ اور دوسرے کئی ہندو۔ مراٹھے سردار شیواجی کے خلاف کیوں تھے؟ حالانکہ یہ سب ہندو تھے۔ مذہب کو ماننے والے تھے۔ شیواجی کے کارنامے اگر ہندو مذہب کی حفاظت کے لئے ہوتے تو یہ مراٹھا سرداروں نے ان کی مخالفت کیوں کی؟ سردیسائی (مشہور مورخ ''ریاست'' کے مصنف) کی طرح سبھاسد (قدیم تاریخ جس میں راجہ شیواجی کے دور کے حالات ہیں)، کیپن (مورخ) پارس نیس (مؤرخ) نے بھی اوّل درجہ کے مراٹھا سرداروں کے نام دیئے ہیں جنہوں نے شیواجی کی مخالفت کی تھی۔ شیواجی کے کارنامے اگر مذہبی نوعیت کے تھے تو پھر یہ مراٹھا سردار کے خلاف کیوں تھے؟ سردیسائی مزید کہتے ہیں ''جو کچھ ان کے پاس تھا اس سے محروم ہونے کا ڈر تھا۔'' شیواجی نے کس چیز کو برباد کیا۔ مورخ کیپن کہتا ہے۔ ''بیجاپور کا علاقہ شیواجی کے ہاتھ آیا۔ اس میں پہلے کے رائج شدہ طریقہ سے انحراف کیا۔ اور زمینات میں فصل کا معائنہ کرنے کے بعد ہی لگان محصول وصول کرنے لگا۔'' یہ بیان بالکل درست ہے کس چیز کی بربادی ہوئی صاف ظاہر ہے۔ اجارہ داری کو اس نے ختم کردیا۔ اس لئے اس مورخ کو شیواجی پر غصہ ہے۔ یہی مورخ ایک اور حقیقت یہاں بیان کرگیا ہے کہ ''ان وجوہات کی وجہ سے عوام کو بہت فائدہ ہوا ہوگا''۔ (کیپن: مراٹھوں کی تاریخ) شیواجی نے کس کی بربادی کی اور کس کا فائدہ کیا صاف ظاہر ہے اور ان مفاد پرست لوگوں کی وجہ سے شیواجی کو گھاٹکے، کھنڈاگلے، باجی گھور پڑے، باجی موہیتے، نمبالکر، ڈبیر، مورے، بادل، ساونت، سوروے، گھور پڑے، پانڈھرے، کوکن کے دیسائی، ماول کے دیشمکھ وغیرہ وغیرہ جیسے مراٹھا سرداروں کی مخالفت مول لینی پڑی۔ وینکو بھوسلے، اور ممباجی بھوسلے جیسے قریبی برادری کے لوگ بھی مخالف تھے۔ جس وقت شائستہ خان نے مراٹھہ علاقہ پر حملہ کیا اس کے ساتھ شمال کے ہندو سردار رہنا تو لازمی تھا۔ لیکن مہاراشٹر کے سوکھاجی گائیکواڑ، ونکر راؤ کاکڑے، سنبھاجی راؤ پوار، سرجے راؤ گھاٹکے، کملوجی راؤ کاکڑے، جسونت راؤ کاکڑے، ترنبک راؤ کھنڈاگلے، کنکوجی راؤ گاڑے، اناجی راؤ کھنڈاگلے، دتاجی راؤ کھنڈاگلے یہ مراٹھے سردار بھی شائستہ خان کے ساتھ تھے۔ اس حقیقت سے بھی زیادہ بھیانک یہ حقیقت تھی کہ ترنبک راؤ بھوسلے، جیواجی راؤ بھوسلے، پرسوجی راؤ بھوسلے وغیرہ بھوسلے خاندان کے افراد جو شیواجی سے خونی رشتہ میں منسلک

تھے، ان میں شامل تھے۔ شائستہ خان کی فوج میں سنڈکھیڑ کے دتاجی راؤ جادھو اور رستم راؤ جادھو بھی شریک تھے۔ یہ تمام افراد شیواجی کی والدہ جیجاماتا کے والدین کے خاندان سے تھے۔ پونہ کی جاگیر خود کو ملنی چاہیئے۔ اس امید پر لونی کے کرشناجی کالبھور شائستہ خان سے مل گئے تھے۔ شائستہ خان نے شتوتڑوں کی دیشمکھی ضبط کرکے کالی بھوروں کو دی تھی۔ بالاجی راؤ ہونپ پونہ کے لال محل کے قریب رہتا تھا۔ آزادی کے سائے (راجہ شیواجی کے سائے) میں رہتے ہوئے بھی اس بالاجی ہونپ کو شیواجی سے زیادہ شائستہ خان کی قربت پسند تھی۔ ایسے تھے ہندو اور ایسی تھی ان کی وطن سے، مذہب سے وفاداری، ایمان جاگیروں پر تھا یہ صاف ظاہر ہے۔ کانوجی جیدھے ایک آدھ اس لالچ سے مستثنیٰ تھے۔

خود شیواجی مہاراج کا ان جاگیرداروں کے بارے میں نظریہ واضح طور پر الگ اور انتہائی تلخ تھا۔ ایک جگہ رام چندر آمتے (احکامات: صفحہ: ۲۷) کہتے ہیں ''ان کا کام طاقتور رہنا، دوسروں کے قبضہ سے کچھ لینا، ڈاکے ڈالنا یہ ان کا پیشہ تھا۔ حالات بدلتے ہی (حاکم بدلتے ہی) جاگیریں حاصل کرنے کے لئے راہیں ہموار کرنا۔ متعلقہ لوگوں سے ملاقاتیں کرنا ان کا طریقہ تھا۔ ادھر کے حالات کی ادھر مخبری کرکے اور اُدھر کے حالات کی ادھر مخبری کرکے اپنے علاقہ میں دشمنوں کی پذیرائی کرنا۔ اپنے ملک کو نقصان پہنچانا ان کا کام ہوتا''۔ ان جاگیرداروں کے لئے ان کی جاگیریں اہم تھیں۔ ان کے لئے مذہب کی اہمیت نہیں تھی۔ وطن (جاگیر) سے لگاؤ زیادہ تھا۔ مذہب سے وفاداری کی اہمیت نہیں تھی۔

شیواجی اور مذہب

ایسا نہیں تھا کہ شیواجی مذہب کو نہیں مانتے تھے یا وہ لامذہب تھے۔ یا انہوں نے اپنی حکومت کو سیکولر قرار دیا تھا۔ شیواجی ہندو تھے۔ مذہب پر انہیں یقین تھا اور ان کی حرکات وسکنات بھی اسی یقین پر مبنی تھیں۔ دیوتاؤں اور سادھو سنتوں کو وہ پوجتے تھے۔ مذہب کے نام پر مندروں کو وہ دان دیتے تھے اور خرچ بھی کرتے تھے۔ مگر کیا وہ اسلام کے مخالف تھے؟ وہ ہندو مذہب پر یقین رکھتے تھے۔ اس لئے کیا وہ مذہب اسلام کے خلاف تھے؟ کیا وہ مسلمانوں کا ''ہندوکرن'' یا ''مراٹھی

کرن'، یا مہاراشٹرین کرن کرنے کا ارادہ رکھتے تھے؟ یا انہوں نے ایسی کوئی کوشش کی؟

تاریخ کا ایمانداری سے مطالعہ کرنے پر ان سوالوں کے جواب نفی میں ملیں گے۔ شیواجی کے سورت کے دو دفعہ لوٹنے کی تفصیلات موجود ہیں۔ جنّر Junnar کے بازار کی لوٹ کی تفصیل موجود ہے۔ لیکن کیا ایک دفعہ بھی کسی مسجد کو گرانے کا واقعہ تاریخ میں موجود ہے؟ کیا کسی مندر کو مسلمانوں نے مسجد میں تبدیل کرنے کے بعد اس کو گرا کر دوبارہ مندر تعمیر کرنے کا اندراج تاریخ میں ہے؟ برخلاف اس کے مسجد کو عطیہ انعام دینے کے اندراج ضرور ملتے ہیں۔ (سبھاسد بکھر تاریخ :صفحہ ۲۹)

سبھاسد کی تاریخ میں آپ کو یہ پڑھنے ملے گا " ملک میں دیو۔ دیوستھان جگہ جگہ تھے۔ اس کی چراغ بتی چڑھاوے، ابھی شیک کا انتظام کیا گیا۔ مسلمانوں کے پیر، مسجد، ان کی چراغ بتی، چڑھاوے وغیرہ کو جاری رکھا۔"

جو بات مسجد کے تعلق سے تھی، وہی مسلم پیر، مسلم بزرگوں کے تعلق سے تھی۔ شیواجی اور اس دور کے مراٹھے ہندو درگاہوں کو عطیات دیتے۔ مسلم پیر، فقیر، اولیاء کو اعزاز دیا جاتا تھا۔ شیواجی مہاراج کئی لوگوں کو گرو مانتے تھے۔ جس میں یاقوت بابا ایک مسلم بزرگ بھی شامل تھے۔ اسلام کے بارے میں شیواجی کے دل میں جو نرم گوشہ تھا اس کی مثالیں تاریخ میں مندرج ہیں۔ خافی خاں (مسلم مورخ) شیواجی کے ہم عصر کی یہ تحریر اس حقیقت پر بہت کچھ روشنی ڈالتی ہے۔ شیواجی نے اپنی فوج کے لئے ایک قانون بنایا تھا جس کے مطابق ان کی فوج جہاں جہاں لوٹ کرنے جاتی وہاں مسجد، قرآن شریف، کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔ کسی عورت کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔ اگر اس دوران کسی کے قرآن ہاتھ لگ جائے تو احترام کے ساتھ مسلم سپاہیوں کے حوالے کیا جائے۔ اگر کوئی ہندو یا مسلم خاتون ہاتھ لگ جائے اور ان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ ہو تو اس کے رشتہ دار اس کو چھڑانے آنے تک شیواجی خود اس کی حفاظت کرتے (سیتو مادھو پگڑی، شیواجی ص:۱۲۹)

۲ نومبر ۱۶۶۹ کو ایک مراسلہ کے ذریعے رگھوناتھ پنڈت راؤ نے شیواجی کے ایک حکم کا ذکر کیا ہے جس سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے۔ وہ یوں ہے "شری منت راج مہاراج یعنی راجہ شیواجی نے حکم دیا ہے کہ جس کا جو مذہب ہے وہ اس پر عمل پیرا ہو۔ اس میں کوئی دخل اندازی نہ کرے۔" (پی۔ این۔ دیشپانڈے "چھترپتی شیواجی مہاراج کے خطوط)

جو لوگ مسلمانوں کے خلاف خود اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ انہیں ان تاریخی حقائق کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ ان لوگوں کو مسلمانوں کے مذہب کے خلاف زہر پھیلانا ہو تو وہ اپنے نام سے پھیلائیں۔ اپنی رائے پر شیواجی کا سکہ ثبت نہ کریں۔ اس خام مال کو شیواجی کے نام سے فروخت نہ کریں۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ موجودہ نام نہاد شیو بھکتوں کی کارروائیوں سے اور ان کی تقریروں سے شیواجی کو نہ جانیں بلکہ انہیں چاہئے کہ تاریخ کا مطالعہ کریں اور شیواجی مسلمانوں کو کس زاویہ سے دیکھتے تھے اس کو سمجھیں اور پھر ان کے تعلق سے جو بھی رائے قائم کرنا چاہیں کریں۔

شیواجی خود ہندو تھے اور ان کا مذہب پر عقیدہ تھا۔ لیکن ایک راجہ کی حیثیت سے انہوں نے اپنی حکمرانی میں مذہب کی بنیاد پر عوام میں تفریق نہیں کی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ہندوؤں کے ساتھ ایک برتاؤ اور مسلمانوں کے ساتھ دوسرا برتاؤ۔ اس کا خیال ہندو اور مسلمان دونوں کریں۔

مسلمانوں میں غیر مذہب والوں سے رواداری کا برتاؤ کرنے والے بادشاہوں میں جہاں اکبر جیسے حکمران ہوئے ہیں وہیں اورنگ زیب جیسے ہندوؤں پر جزیہ عائد کرنے والے، جانبداری کا برتاؤ کرنے والے بھی گزرے ہیں۔

اورنگ زیب نے مذہبی رہنماؤں کے کہنے پر جزیہ عائد کیا۔ اسی وقت شیواجی مہاراج نے اورنگ زیب کو فارسی زبان میں ایک مراسلہ روانہ کیا۔ اس مراسلہ کے متن سے شیواجی مہاراج کا نظریہ صاف صاف سامنے آتا ہے کہ ہم مذہب اور غیر مذہب والوں سے کس طرح برتاؤ کیا جائے۔

اپنے مراسلہ میں شیواجی لکھتے ہیں کہ اورنگ زیب نے غریب اور بے سہارا عوام سے جزیہ وصول کرنے کی جو پالیسی اپنائی ہے وہ مغل حکمرانی کے بنیادی اصولوں سے ٹکراتی ہے۔ اورنگ زیب کے پردادا اکبر نے ۵۲ سال حکومت کی۔ اس دوران انہوں نے سب کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کیا۔ جس کی وجہ سے عوام نے انہیں "جگت گرو" کا خطاب دیا۔ بعد ازاں جہانگیر اور شاہ جہاں نے اسی پالیسی پر عمل کیا۔ ان کی ان پالیسیوں کی وجہ سے ان کی دنیا بھر میں تشہیر ہوئی۔ یہ بادشاہ بھی آسانی سے جزیہ عائد کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے انہیں ان گنت دولت اور شہرت ملی۔ ان کی حکومتوں میں توسیع ہوتی گئی۔ لیکن اورنگ زیب کی حکومت میں ہندو اور مسلمان سپاہی دکھی ہیں۔ اناج کے نرخ میں اضافہ ہوا ہے۔ ایسی صورت میں غریب برہمن، جوگی،

بیراگی، جین، سادھو، سنیاسی جیسے لوگوں سے جزیہ وصول کرنا کوئی مردانگی نہیں ہے۔ درحقیقت یہ تو مغل خاندان کی شان کے خلاف ہے۔

شیواجی مزید لکھتے ہیں ”قرآن درحقیقت ایشور کا کلام ہے۔ یہ آسمانی کتاب ہے۔ اس میں ایشور کو دنیا کا ایشور کہا گیا ہے۔ صرف مسلمانوں کا ایشور نہیں کہا گیا۔ کیونکہ ایشور کے پاس ہندو اور مسلمان مساوی ہیں۔ مسلمان مسجدوں میں اذان دیتے ہیں اور یہ ایک طرح سے خدا کی تعریف ہے اور ہندو بھی مندروں میں گھنٹہ بجا کر ایشور کی تعریف کرتے ہیں اس لئے ذات اور دھرم کی بنیاد پر ظلم کرنا ایشور کے ساتھ ظلم کرنا ہوگا۔ مذہبی نقطۂ نظر سے اور انصاف کے تقاضوں کو پیش نظر رکھا جائے تو جزیہ غیرواجبی ٹیکس ہے۔“

اس لئے شیواجی نے اورنگ زیب کو لکھا کہ وہ کسی قسم کا امتیاز نہ کرے۔ اس سے قبل گجرات کے سلطان نے بھی امتیاز برتا تھا۔ جس کا نتیجہ کچھ اچھا نہیں نکلا۔ بادشاہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا۔ آگ کے قریب کوئی بھی چیز رکھی جائے یا لے جائی جائے تو اس کا جل جانا یقینی ہے۔ اسی طرح کوئی بھی حکومت عوام کی ناراضگی اور بے اطمینانی سے جل کر خاک ہوتی ہے۔ انسانوں کو بلا وجہ تکلیف دینے پر جو نفرت کی آگ پیدا ہوتی ہے۔ وہ جوالا مکھی سے نکلنے والے لاوا سے زیادہ جلانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس لئے بادشاہ کو چاہئے کہ مذہب اور ذات پات کی بنیادوں پر رعیت میں تفریق نہ کرے اور کسی قسم کا ظلم نہ کرے۔ شیواجی نے یہاں بھارتیوں کے نقطۂ نظر سے ایک اہم اصول کا اظہار کیا ہے۔ اکبر اور دوسرے بادشاہوں نے مذہب کی بنیاد پر عوام کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دی۔ مذہبی امور میں ان کی اس فراخ دلی کی وجہ سے انہیں جگت گرو کہا گیا۔ لیکن غریب اور بے قصور لوگوں پر جزیہ (ٹیکس) عائد کر کے اورنگ زیب نے اسلام کے خلاف کارنامہ انجام دیا۔ کیونکہ قرآن یہ ایشور وانی (اللہ کا کلام) اور اللہ کے پاس ہندو اور مسلم الگ نہیں ہیں۔ راجہ نے اگر اپنے عوام کو تکلیف دی تو طاقتور ہونے کے باوجود اسے زوال آئے بغیر نہیں رہتا۔ (ایس ایم گرگ: اورنگ زیب، جزیہ اور شیواجی مہاراج) شیواجی کے دور پر غور کیا جائے تو ان کے یہ خیالات انتہائی بے مثال نظر آتے ہیں۔ کیونکہ اس دور میں عوام کی زندگی پر مذہب کا اثر تھا۔ لیکن شیواجی کے مطابق ،خود کے مذہب کو جو فوقیت اور اہمیت حاصل ہوتی ہے وہی فوقیت اور اہمیت اوروں کے مذہب کو بھی حاصل ہوتی ہے۔ طریقۂ عبادت الگ لیکن مقصد اور منزل ایک۔

اکبر، داراشکوہ، ابراہیم عادل شاہ کے خیالات بھی کچھ اسی قسم کے تھے۔

شیواجی ایک مذہبی حکمراں تھا۔ اسے ہندو ہونے پر فخر تھا۔ اس نے ہندوؤں کے منادر اور برہمنوں کو انعامات سے نوازا۔ یہ بھی صحیح۔ لیکن شیواجی کے مطابق ہندو دھرم پر فخر دوسرے مذاہب سے نفرت کی بنیاد پر نہیں ہوتا۔ ایسے خیالات اس کے ذہن میں کبھی بھی نہیں آئے کہ مسلمانوں سے نفرت کئے بغیر کوئی اچھا ہندو نہیں بن سکتا۔ اس قسم کے خیالات ان کے ذہن میں کبھی نہیں آئے۔ قرون وسطیٰ میں مذہب کے معاملے میں وہ باریک بین تھے۔

۴: شیواجی، برہمن، خاندانی، شودر

چھترپتی کے نام سے جو القاب لگائے جاتے ہیں ان میں گو برہمن، پرتی پالک، بہت نمایاں ہے۔ یعنی شیواجی گائے کا نگہبان اور برہمن کا خیر خواہ تھا۔ اس کی کافی تشہیر کی جاتی ہے۔

چھترپتی شیواجی کے اصل (تسلیم شدہ) کئی مراسلے آج مہیا ہوئے ہیں۔ ایک بھی مراسلے میں انہوں نے اپنے آپ کو ''گو برہمن پتی پالک'' کے نام سے منسوب نہیں کیا۔ ان کے معاصرین کے مراسلے جو شیواجی کو لکھے گئے آج بھی مہیا ہیں۔ ان مراسلوں میں ایک بھی مراسلہ نہیں جس میں شیواجی کو گو برہمن پتی پالک کے لقب سے یاد کیا گیا ہو۔ اس کے برخلاف شیواجی کی تاجپوشی کے سن کے ۲۹ مراسلے ملے ہیں۔ ان تمام مراسلوں میں شیواجی نے اپنے آپ کو شتریہ کلونت شری راجہ شیواجی لکھا ہے۔ گو برہمن پرتی پالک کبھی نہیں لکھا۔ پھر یہ گو برہمن پرتی پالک والا معاملہ کیا ہے؟

مورخ و۔م۔ پُرندرے کہتے ہیں کہ شیواجی خود کو گو برہمن پرتی پالک کہلواتے تھے اور اس کے لئے شیو چرتر (شیواجی کا کردار) کے ماخذ جلد ۵ کے نمبر ۵۳۴ اور ۵۳۵ کا حوالہ دیتے ہیں۔ لیکن اس ماخذ میں موجود تمام مراسلوں اور حوالوں کا باریک بینی سے مطالعہ کرنے کے بعد شری شیجوالکر Shri Shejwalker مشہور مورخ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ۵۳۴ نمبر کے مراسلہ میں شیواجی خود کو گو برہمن پرتی پالک نہیں کہتے بلکہ ایک برہمن جس کا اس مراسلہ میں تذکرہ ہے وہ شیواجی کو یہ لقب دیتا ہے۔ سلسلہ نمبر ۵۳۷ پر جو مراسلہ ہے اس میں تو برہمن پرتی پالک کے الفاظ ہی نہیں ہیں یعنی سب کچھ جھوٹ۔ شیواجی کا خود کو برہمن پرتی پالک کہلوانا اور برہمنوں کا انہیں یہ لقب دینا اس میں زبردست فرق ہے۔ اپنے کام کروانے اور اس مقصد کے لئے کسی راجہ سے درخواست کرتے

وقت کوئی اسے ''ہمارا پرتی پالک'' ضرور کہے گا۔ اس میں خاص بات کیا ہے؟

پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شیواجی کے نام سے جو القاب استعمال کئے گئے اس کے لئے کون ذمہ دار ہے؟ گئو (گائے) تو لگانا ممکن ہی نہیں۔ اس کا جواب صاف ہے۔ اپنے مفاد کو پیش نظر رکھ کر مشہور تاریخی شخصیتوں کے ساتھ ان کی بڑائی کرنے والے القاب لگانے کو زیادہ سے زیادہ ان کی چالاکی تصور کی جائے گی۔ عام لوگ ان چیزوں سے واقف نہیں رہتے۔ اور جب تک یہ عدم واقفیت رہتی ہے اس وقت تک یہ ساری چیزیں ہضم ہوجاتی ہیں۔ لیکن یہ سچائی نہیں رہتی اس لئے یہ تاریخ نہیں ہوسکتی۔

گرانٹ ڈف (مشہور مورخ) اپنی کتاب میں کہتا ہے ---گائے---رعیت---- اور عورتوں کو لوٹنے سے اپنے سپاہیوں کو شیواجی نے منع کیا تھا''۔ اس تاریخی حقیقت کے لئے اور بھی ثبوت ہیں (جادوناتھ سرکار: شیواجی اور اس کا دور) پھر گائے، رعیت اور عورتوں کی حفاظت کرنے والا (پرتی پالک) شیواجی گئو برہمن پرتی پالک کیسے بن گیا؟ رعیت اور عورتوں کو بازو ہٹا کر برہمن کس نے لایا یہ سمجھنا آج مشکل نہیں ہے۔

شیواجی کے دور میں برہمنوں کو کوئی خاص سہولت دی گئی تھی ایسا کہیں نظر نہیں آتا۔ اس کے برخلاف اپنے ایک مراسلہ میں کچھ شرارت پسند برہمنوں کے بارے میں شیواجی لکھتے ہیں۔ ''کوئی برہمن یہ نہ سمجھے کہ وہ برہمن ہے اس لئے اس کا لحاظ کیا جائے گا''۔ اس طرح سے برہمنوں کو تاکید کی گئی اور دھمکایا گیا کہ ''جو دشمن ہوگا اس کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ ہوگا''۔

(شیواجی مہاراج کے خطوط: بی این دیشپانڈے۔ ص: ۱۶۷)

جس طرح تمام مراٹھے شیواجی کے ساتھ نہیں تھے اسی طرح تمام برہمن شیواجی مہاراج کے ساتھ نہیں تھے۔ بہت سارے مخالف تھے اس لئے شیواجی مہاراج کو ''براہمن پرتی پالک'' جیسے القاب اختیار کرنا ممکن نہ تھا اور نہ کبھی انہوں نے یہ لقب اختیار کیا۔

محض دکشا وصول کرنے کے لئے شیواجی کے دور میں برہمنوں نے شیواجی کی مخالفت میں ''کوٹ چندی یگیہ'' کے انعقاد کیا تھا جس کا تذکرہ بھی شیواجی کی سوانح پر لکھی ہوئی کتابوں میں ملتا ہے۔ دہلی کے شہنشاہ کا اعلیٰ سردار مرزا راجہ جے سنگھ، شیواجی کی سرکوبی کرنے مہاراشٹر میں داخل ہوا۔ اور اس کی کامیابی و کامرانی کے مقصد کے لئے مہاراشٹر کے برہمنوں نے ''کوٹ چندی یگیہ'' کی

تھی اس کا تذکرہ سبھاسد بکھر میں یوں آتا ہے۔

''مرزا راجہ جے سنگھ کو فکر تھی کہ شیواجی بڑا فسادی ہے۔ بہت ہی شاطر ہے اور اس میں زبردست مردانگی ہے۔ اس میں سپاہ گری ہے۔ اس نے افضل خان کو ہلاک کیا۔ شائستہ خان کے ڈیرے میں گھس کر لوٹ مار کی۔ اس لئے مرزا راجہ جۓ سنگھ کو فکر لاحق ہوئی کہ کامیابی کیسے حاصل ہوگی۔ تب بڑے بڑے برہمن پروہتوں نے اس کو ترکیب بجھائی اور مشورہ دیا کہ مذہبی رسومات ادا کر کے روحانی طاقت کا استعمال کرنے سے کامیابی ممکن ہے۔ اس پر مرزا نے کہا کوٹ چندی یگیہ کرواؤ اور گیارہ کروڑ لنگ کرو۔ اس کے لئے دیر رات تک جپ کرو۔

''چار سو برہمنوں کو یگیہ کی مذہبی رسومات میں مصروف کر دیا۔ اس مقصد کے لئے دو کروڑ روپے مختص کئے۔ اور یہ سلسلہ تین ماہ تک چلتا رہا۔ یگیہ کی تکمیل کے بعد برہمنوں کو دان دکشنا دے کر مطمئن کیا۔ پھر وہ اپنے مشن پر روانہ ہوا۔'' شیواجی اگر برہمن پرتی پالک ہوتا اور اگر اس کی حکومت برہمنوں اور ہندوؤں کے مذہب کی حفاظت کے لئے ہوتی تو اتنا بڑا کوٹ چند یگیہ برہمن کیوں کرتے؟

چھترپتی شیواجی کی تاجپوشی کے لئے برہمنوں کی مخالفت

مہاراشٹر کے برہمنوں نے شیواجی مہاراج کی تاجپوشی کی سخت مخالفت کی۔ یہ حقیقت سب کو معلوم ہے۔ چاتر ورن (ہندو مذہب میں اونچ نیچ کی بنیادوں پر سماجی تقسیم) کے نظام کے مطابق اور ہندو دھرم شاستروں کے مطابق راجہ بننے کا حق صرف برہمنوں اور کھشتریوں کو ہی پہنچتا ہے۔ شیواجی نے بہادری کی بنیاد پر حکومت بنائی، لیکن اس کے باوجود ہندو مذہب کے مطابق انہیں راجہ ہونے کا حق حاصل نہیں ہے۔ کچھ لوگوں کو یہ شک تھا کہ راجہ شیواجی کھشتری نہیں ہیں۔ اور کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اگر وہ کھشتری ہوں تب بھی چونکہ ان کی ابتدائی عمر میں چند رسومات ہندو دھرم شاستر کے مطابق ادا نہ کئے جانے پر وہ کھشتری باقی نہیں رہ گئے تھے۔ ان کی مونج (عمر کے گیارہ سال میں گلے میں جو مقدس ڈوری ڈالی جاتی ہے) نہ ہونے کی وجہ سے، مقدس منتروں کے مطابق ان کی شادی نہ ہونے کی وجہ سے وہ کیسے راجہ بن سکتے ہیں۔

کچھ سناتنی کٹر پنتھی مذہبی پنڈتوں نے مزید کہا کہ ''نند راجہ کے خاتمہ کے ساتھ ہی کھشتریوں کا بھی خاتمہ ہو چکا ہے اور اب اس کے بعد کوئی کھشتری باقی نہیں رہا۔ اکبر کے دور میں کرشنا بھٹ نے شیش شودرا چار شیرومنی، نامی ایک کتاب لکھی۔ جس میں کہا گیا کہ پرشورام نے پورے کرۂ زمین سے کھشتریوں کا نام ونشان مٹا دیا ہے۔ اب جبکہ ہندو مذہب میں راج تیج اور راج ونش کے کھشتری باقی نہیں رہے تو شیواجی کی تاجپوشی کیسے کی جا سکتی ہے؟

(Shivaji & His Times :Sarkar)

مہاراشٹر کے برہمنوں میں سے کوئی بھی شخص راجہ شیواجی کی تاجپوشی کے لئے تیار نہ تھا۔ اس لئے کاشی کا گاگا بھٹ آیا اور اس نے انتہائی شان وشوکت سے ویدک طریقہ سے تاجپوشی کی۔ گاگا بھٹ کا خاندان گوناٹڈیز کا تھا، مگر وہ ایک عالم پنڈت تھا اور کاشی (بنارس) میں رہتا تھا۔ راجہ شیواجی نے اسے اور دوسرے برہمنوں کو بہت سارے انعامات دیئے اس میں کچھ مبالغہ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر کہا جاتا ہے کہ راجہ گڈھ قلعہ میں براہمنوں کو انعام واکرام کے طور پر اتنا سونا دیا گیا کہ انہیں قلعہ سے نیچے لے جانا دشوار تھا۔

شیواجی کے برہمن معاون

شیواجی مہاراج کی تاجپوشی کی مخالفت مہاراشٹر کے برہمنوں نے کی۔ اسی طرح مہاراشٹر کے برہمنوں نے مرزا راجہ جے سنگھ کی کامیابی کے لئے کوٹ چندی یگیہ کیا تھا۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ مہاراشٹر کے تمام برہمن شیواجی کے خلاف تھے اور اس قسم کا نتیجہ اخذ کرنا غلط ہے۔

یہ مسئلہ نہ تو انفرادی تھا نہ برہمن فرقہ کا اور نہ برہمن پروہتوں کا۔ بنیادی مسئلہ ''چاتروان'' (اونچ نیچ کا فلسفہ) کا تھا اور یہ آج بھی ہے۔

شودر نے پرجاپتی (برہمن دیوتا) کے پیر سے جنم لیا ہے۔ اس لئے اس کا کام اپنے سے اونچے تینوں درجوں میں رہنے والوں کی خدمت ہے۔ وہ راجہ نہیں بن سکتا۔ اس قسم کا حکم مذہب کا ہے۔ کیونکہ راجہ خود دیو کا ایک حصہ ہے۔ اس لئے شودر دیو کا حصہ بن نہیں سکتا۔ اس پر مذہب کا اصرار ہے۔ مسلمان راجہ ہو سکتا ہے۔ لیکن شودر راجہ ہو نہیں سکتا۔ یہ سناتن (قدیم) ہندو مذہب کا

رواج ہے۔اس لئے شیواجی کی تاجپوشی کو ہندودھرم کی مخالفت تھی۔ برہمنوں کی نہیں۔شیواجی کے کارناموں میں بہت سارے برہمن معاون تھے۔دادوجی کونڈ دیو تو ان کے گرو تھے۔رام داس سوامی نے شیواجی کی رہبری کی یا نہیں،انہیں کچھ نصیحتیں کی یا نہیں،اس سلسلہ میں زبردست تنازعہ ہے۔یہ مسئلہ اگر مورخوں پر چھوڑ دیا جائے تب بھی دادوجی کے رویہ کے بارے میں شک نہیں کیا جاسکتا ۔(دادوجی کونڈ دیو ایک برہمن اتالیق تھا جس کی نگرانی میں شیواجی کے والد شاہ جی نے شیواجی اور اس کی جاگیر دی تھی۔اس دوران شاہ جی عادل شاہی کے جاگیردار کی حیثیت سے بنگلور میں تھے۔جبکہ شیواجی کو دادوجی کی نگرانی میں پونہ میں رکھا گیا تھا۔مترجم)

موروپنت پنگلے جو براہمن تھے شیواجی کے پاس پیشوا (وزیراعلیٰ) کی حیثیت سے تھے۔ موروپنت، اناجی دتو، دتاجی ترنبک، نہ صرف وزیر تھے بلکہ بہادر بھی تھے۔شیواجی کی آگرہ سے حیرت انگیز طور پر فرار ہونے کے واقعہ میں شمالی ہند کے کرشناجی کاشی اور ویساجی جیسے براہمنوں کا اور مہاراشٹر کے ترنبک پنت ڈبیر اور رگوناتھ پنت کورڈے جیسے براہمنوں کی قیمتی مدد شامل رہی۔یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔

سوال برہمنوں کا نہیں بلکہ سناتن ہندودھرم کا تھا۔یہ اس دور میں عائد کی گئی پابندیوں کا تھا جسے شیواجی کو تسلیم کرنا پڑا۔اس لئے بادی النظر میں مضحکہ خیز نظر آنے والے واقعات اس دور میں وقوع پذیر ہوئے۔

چونکہ مہاراج ابتدائی دور میں ان رسومات سے محروم رہے اس لئے گاگا بھٹ ان کمیوں کو دور کرنے کے لئے شیواجی مہاراج کی ۴۴ سال کی عمر میں مونج کی رسم (جس میں گلے میں ۱۱ سال کی عمر میں ایک ڈوری کچھ رسومات کے ساتھ ڈالی جاتی ہے) ادا کی۔مخصوص رسومات اور منتروں کی ادائیگی میں دوبارہ شادی کی۔''دان'' اور ''دکشنا'' کے طور پر لاکھوں سنہرے سکّے ہتھیا لئے اور تب کہیں تاجپوشی کی گئی۔(سرکار: Shivaji and His Times)

آج مطلبی لوگ شیواجی کے نام کے ساتھ ''دھرم رکشک'' کا لقب منسوب کرتے ہیں۔ انہیں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ اسی ہندودھرم اور ہندودھرم کے محافظوں نے شیواجی کی تاجپوشی کی مخالفت کی تھی اور عمر کے ۴۴ ویں سال میں مونج کی رسم پھر ایک دفعہ ہوئی۔شادی دوسری مرتبہ کروانے کی مضحکہ خیز حرکت کروائی تھی۔

اس کے یہ معنی ہوئے کہ ہندودھرم کے ماننے والوں نے شیواجی پر اس دور میں کچھ مذہبی پابندیاں عائد کی تھیں۔ ہر نامور شخصیت پر حالات کے مطابق پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔اور یہ شیواجی پر بھی عائد کی گئی تھیں۔

تعریف کرنے کے جذبہ میں کبھی کبھی اعتدال کو ترک کر کے شیواجی مہاراج کی حد سے زیادہ تعریف بھی کی جاتی ہے۔کہا جاتا ہے کہ شیواجی مہاراج صحیح معنوں میں ایک سوشلسٹ تھے۔ایسے مضحکہ خیز بیانات کچھ لوگ دیتے ہیں۔جبکہ یہ صحیح نہیں ہے۔راجہ شیواجی خود ایک جاگیردارانہ نظام کی پیداوار تھے۔اور راجہ ہوتے ہوئے ان کا سیکولر ہونا ناممکن نہیں تھا۔اور نہ یہ ممکن تھا کہ وہ سماج وادی (سوشلسٹ) سوچ وفکر رکھتے تھے کیونکہ یہ فکر ان کے دور سے بہت آگے تھی۔اپنے دور کے مخصوص حالات میں رہ کر وہ دوراندیش تھے۔اور ان حالات میں بھی انہوں نے ترقی پذیر اقدامات کئے اور راجہ ہو کر بھی اپنی رعایا کی اتنی قدر کی، یہ اہمیت کی بات تھی۔

راجہ شیواجی کی پہلی تاجپوشی رائے گڈھ میں سک ۱۵۹۶ یعنی ۶ رجون ۱۶۷۴ء کو ہوئی یہ سب جانتے ہیں۔لیکن شیواجی کی ایک اور تاجپوشی ہوئی تھی۔اور یہ پہلی تاجپوشی کے تین ماہ بعد للیتا پنچمی کے دن یعنی اشون شدھ پنچمی کو ہوئی تھی۔

نشچل پوری گوساوی نام کا کوئی یجر ویدی تانترک گوساوی تھا۔پہلی تاجپوشی کے بعد وہ شیواجی مہاراج سے ملا۔اسی دوران پہلی تاجپوشی کے ۱۳ر دن بعد ان کی والدہ جیجابائی کا انتقال ہوا تھا۔شیواجی کا سیناپتی پرتاپ راؤ گرجر کا بھی انتقال ہوا تھا۔شیواجی کی ایک بیوی کاشی بائی کا بھی انتقال ہوا تھا۔

نشچل پوری گوساوی کا کہنا تھا کہ گاگا بھٹ نے جو پہلی تاجپوشی کی رسم ادا کی تھی اس میں کئی کوتاہیاں رہ گئی تھیں۔کیونکہ اس نے مہورت ٹھیک نہیں نکالی تھی۔نائب دیوتاؤں کو خوش نہیں کیا تھا۔انہیں قربانی کی خیرات نہیں دی گئی تھی اس لئے یہ تمام مصیبتیں درپیش آئی تھیں۔

شیواجی مہاراج اور ان کے مشیر دھرم پر یقین رکھنے والے اور دیوتاؤں سے خوف کھانے والے تھے۔اس دور میں ان کا علم محدود تھا۔اور ان کی واقفیت بھی کم تھی۔انہوں نے نشچل پوری کی باتوں پر یقین کیا اور پھر دوبارہ تاجپوشی کی رسم ادا کی۔رہے سہے دیوتاؤں کے لئے یگنیہ کیا۔اور دان دکشنا دے کر انہیں بھی خوش کیا۔برہمنوں کو مزید خیرات دی گئی۔(سیتو مادھو پگڑی۔چھترپتی

شیواجی ص:۶۹) ایک ہی شخص کی دوبارہ تاجپوشی کے بارے میں آج تک کبھی نہیں سنا گیا۔لیکن دو مرتبہ تاجپوشی اور دومرتبہ دیوی دیوتاؤں برہمن پروہتوں کوخوش کرنے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ تاجپوشی کے بعدشیواجی کوبہ مشکل صرف ۶ سال زندگی ملی اوروہ اچانک انتقال کر گئے۔اس دورکی کم علمی اورمحدودواقفیت کے پس منظرمیں ان دونوں تاجپوشی کی رسومات کودیکھنا چاہیے۔

۹۶ کلی والوں سے شیواجی کی مخالفت

(۹۶ کلی۔ مراٹھوں میں ایک اونچی ذات ہے)

اس دور میں شیواجی مہاراج کوشودر یاکم ذات کا خیال کرنے والے مہاراشٹر کے صرف برہمن ہی نہیں تھے بلکہ خودکوکھشتری کہلوانے والے ۹۶ کلی والے مراٹھا سردار بھی تھے۔ یہ لوگ شیواجی کوابتداء میں راجہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہی نہیں تھے۔اونچی ذات پات کی شدت پسندی سے رشتہ طے کرنے والے اورخودکواونچا سمجھنے والے ''بھوسلے'' نام کے مراٹھوں کوکم درجہ دیتے ہیں۔

اس دور میں ۹۶ کلی کے تمام مراٹھے خودکوراجہ کہلواتے۔جیسے شندے راجے، مورے راجے وغیرہ جن کادرحقیقت کوئی راج نہیں تھا۔آج بھی احمدنگر ضلع اوراس کے آس پاس کے علاقوں میں تقریباً تمام مراٹھے خودکے نام کے ساتھ پاٹل لکھتے ہیں۔جیسے لنگڑے پاٹل، کولہے پاٹل، کالے پاٹل، وکھے پاٹل وغیرہ وغیرہ جیسے سب پاٹل ہی ہیں۔

خودکوراجے کہلوانے والے اس دور کے ۹۶ کلی مراٹھے شیواجی کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے تھے۔اس کی ایک مثال دی جاسکتی ہے۔جاولی (ایک چھوٹی سی جاگیر جوستارہ ضلع میں ہے) کے مورے، عادل شاہی میں ایک سردار تھے۔انہیں راجہ کہا جاتا تھا۔علاوہ اس کے انہیں ''چندراؤ'' کا خطاب بھی تھا۔شیواجی نے کوشش کی تھی کہ آزادی کے کام میں وہ بھی ان کا معاون بنے۔اس کے لئے اسے خطوط لکھے گئے۔

ایک نمائندہ بھی روانہ کیا گیا تھا۔لیکن اس نے ان سنی کردی اس پراس کوایک مراسلہ روانہ کر کے دھمکی دی گئی اوراشارہ کیا گیا کہ اگراس نے بات نہیں سنی تو جاولی پر قبضہ کیا جائے گا اور

اسے گرفتار کیا جائے گا۔مراسلہ میں شیواجی نے خودکوراجہ لکھا۔اس مراسلہ کا جواب مورے نے جس حقارت سے دیا وہ مراسلہ اب مہیا ہوا ہے۔اس میں مورے لکھتا ''تم راجہ کیسے؟ کیونکہ تم خودکوراجہ کہتے ہواس لئے راجہ ہوئے؟''

''اگرتم کھانا کھارہے ہوتوہاتھ دھونے کے لئے جاولی آؤاورہوجانے دولڑائی۔'' اورپھر شیواجی نے مورے کی خواہش پوری کی۔جنگ ہوئی۔جاولی فتح کیا۔یہ ایک الگ بات ہے جاولی کے مورے نے خودکوراجہ کہلوایا۔مگرشیواجی کوراجہ تسلیم کرنے سے انکار کیا۔یہ واقعہ اس ضمن میں اہمیت کا حامل ہے۔

جوبات جاولی کے مورے کی تھی وہی رانجھی کے پاٹل کی تھی۔اس پاٹل نے ایک غریب کاشتکار کی لڑکی سے زنا بالجبر کیا تھا اس لئے اس کی مشکیں باندھ کر پونہ میں شیواجی کے سامنے حاضر کیا گیا۔اوراُس کوشیواجی نے سخت سزائیں دیں۔وہاں شیواجی کے استاد دادوکونڈدیو حاضر تھے۔ رانجھی کے مجرم پاٹل نے دادوجی کونڈدیو سے کہا کہ ''انصاف کرتے وقت ذات پات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔''

پاٹل کے کہنے کا مطلب صاف تھا اس نے یہ اشارہ کیا کہ انصاف کرنے کا اختیار یا توراجہ کو ہے یا اونچی ذات والوں کو، یا برہمنوں کو یا پھر پنچایت کو۔راجہ شیواجی توراجہ نہیں۔اونچی ذات کا بھی نہیں۔اس لئے شیواجی کواختیار نہیں کہ وہ سزادے۔اگردھرم شاستر کی کسوٹی پردیکھا جائے تواس وقت کے حالات میں پاٹل نے جوکچھ کہا تھا وہ صحیح تھا۔لیکن شیواجی نے مذہبی حکم کوپس پشت ڈال کر خوداپنے اصولوں سے انصاف کیا۔انہوں نے حکم دیا کہ پاٹل کوان کے سامنے حاضر کیا جائے۔مگر وہ روانہ کردہ سوار کے ساتھ نہیں آیا۔برخلاف اس کے روانہ کردہ سوار سپاہی سے کہا گیا ''تیرے شیواجی کوجاکر کہنا کہ وہ نام کا راجہ ہے۔اورمیں صرف نام کا پاٹل نہیں ہوں۔گاؤں کا ادھیکار پاٹل ہوتا ہے اورمیں اپنی رعایا کوداشتہ سمجھتا ہوں''۔(پونہ کے قریب رانجھنی نام کے مقام کے پاٹل نے ایک غریب کاشتکار کی لڑکی سے زنا بالجبر کیا تھا جس پر شیواجی مہاراج نے مجرم کے ہاتھ اور پیر توڑنے کی سزادے کرغریب عوام میں تحفظ اورانصاف کی اچھی مثال قائم کی تھی: مترجم)

المختصر یہ کہ اونچی ذات والا برہمن ہو یا اونچی ذات والے مراٹھے۔ابتداء میں وہ شیواجی کو راجہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

ہندو مذہب میں چاتر ورن (سماج کی اونچ نیچ کی بنیادوں پر چار طبقوں میں تقسیم) کی تشکیل کی وجہ سے شیواجی کو بہت تکلیف پہنچی تھی۔ وہ مذہب پر یقین رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے راستہ ڈھونڈا۔ خود کی طاقت، بہادری، اور تدبر سے حاصل شدہ اختیار سے ایک ریاست کے راجہ ہوئے اس لئے ان کو تاجپوشی کی رسم ادا کرنی پڑی۔ اور مذہب کی بھی منظوری لینی پڑی۔

کلواڑی بھوشن

مہاتما جیوتی با پھلے نے شیواجی مہاراج پر ایک پوواڑہ (لوک گیت) لکھا ہے اس میں انہوں نے شیواجی کو کلواڑی بھوشن (Kulwadi Bhushan) لکھا ہے اس لوک گیت کے اخیر میں وہ شیواجی مہاراج کو شودر کا پوت کہتے ہیں یعنی شیواجی بھوسلے شودر کے فرزند تھے۔ ایک کاشتکار تھے جیوتی با پھلے کوئی مورخ نہ تھے۔ اور نہ محقق۔ سماجی مساوات کے علمبردار اور سماجی مصلح تھے۔

مورخ شیجوالکر (مہاراشٹر کے مشہور مورخ (Shejwalker) نے شیواجی کی سوانح حیات لکھتے ہوئے ان کے خاندان کی جو معلومات جمع کی ہیں اس میں انہوں نے اس لوک گیت کا ذکر کیا ہے۔

شیواجی کے خاندان کی تاریخ

اودے پور کے رانا بھیم سنگھ کا ایک داسی پتر تھا جس کا نام باگھ سنگھ تھا۔ رانا کے انتقال کے بعد اس کی برادری کے لوگ اسے بری نظر سے دیکھنے لگے۔ اس لئے وہ خاندیش (مہاراشٹر کا شمالی حصہ) میں آیا۔ اور بعد میں پونہ کے قریب زمین خرید کر زمیندار بن گیا۔ اس کے چار لڑکے تھے جن میں ایک مالوجی اور دوسرا بنبو جی تھا۔ (حوالہ بندیلہ کی بکھر) شیواجی کے راجپوت ہونے کے تذکرے آئے ہیں۔ اور مختلف ذرائع سے ثبوت بھی ملتا ہے۔ ان تمام ذرائع کا ایم ایم دتو وامن پوت دار (پونہ کے مشہور مراٹھی عالم) نے جائزہ لے کر لکھا ہے۔ ''اس سلسلے میں کئی مشکلات درپیش

آتی ہیں کہ اگلی تاریخ میں شاہو مہاراج سے قبل تک ایسا نظر آتا ہے کہ بہت سارے گھرانے سسوڈیا گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں یا نہیں اس سلسلہ میں اتفاق رائے نہیں۔ شیواجی راجپوت تھے اور ان کے بھوسلے گھرانے راجپوتانہ سسوڈیا گھرانے سے تھے اس بارے میں میرے ذہن میں کوئی شک نہیں۔ شاہ جی (شیواجی کے والد اپنے ایک مراسلہ میں ''ہم راجپوت'' ایسا تذکرہ کیا ہے جس میں اس مسئلہ پر مزید روشنی پڑتی ہے۔''

شیواجی مہاراج پیدائشی کھشتری تھے یا نہیں یہ مسئلہ بے معنی ہے۔ ''شیواجی کھشتری تھا۔ میں کھشتری ہوں'' اس لئے میں بھی ایک عظیم شخص ہوں'' یا ''شیواجی بھوسلے تھے۔ میرا نام بھی بھوسلے ہے اس لئے میں بھی بڑا ہوں۔'' ایسا اگر کسی کا کہنا ہے تو یہ ایک الگ بات ہے۔ شیواجی کی عظمت و بڑائی سے خود کو جوڑنا اور اس کی عظمت کی آڑ میں خود کی بڑائی کرنے والے وہی ہوتے ہیں جن کے پاس سوائے اپنے خاندانی نام اور پیدائشی ذات کے کچھ نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ شیواجی کی خاندانی نسبت پر بحث کریں۔ شیواجی کس خاندان سے ہیں یہ امر اتنی اہمیت کا حامل نہیں جتنا کہ وہ کام جو انہوں نے انجام دیا۔ کہاں جنم لینا یہ اپنے بس کی بات نہیں ہوتی لیکن کون سے کام انجام دیا جائے وہ خود کے بس میں رہتا ہے جن لوگوں کے ہاتھوں کوئی کارنامے انجام نہیں پاتے وہ خاندانی نسبت اور عظمت کے گن گانے کے سوا کیا کر سکتے ہیں۔

شیواجی کے معاون معمولی کاشتکار

شیواجی کے نام کو اونچے خاندان سے منسوب کرنے والوں کو یہ خیال کرنا چاہئے کہ شیواجی کے سوراج قائم کرنے کے کارنامے انجام دینے والوں میں اونچی ذات والے بہت زیادہ نہیں تھے۔ شیواجی کے معاون سردار، وطن دار زمیندار نہیں تھے بلکہ اونچی ذات کے کہلانے والے غریب کاشتکار تھے۔

جن ماولوں (پونہ کے آس پاس کے پہاڑی علاقوں اور وادیوں میں بسنے والے لوگ) کے استقلال، اعتبار، اور لامتناہی قربانیوں کی وجہ سے شیواجی نے بے مثال کارنامے انجام دیئے وہ ماولے سادہ کاشتکار تھے۔ پرانے وطن داروں، زمینداروں نے ابتداء میں شیواجی کا ساتھ

نہیں دیا۔لیکن شیواجی نے چھوٹے موٹے سردار پیدا کئے ۔ وہ پیدائشی سیدھے سادے عوام تھے لیکن اپنے کارناموں کی بنیادوں پر بڑے بن گئے۔

پنہال گڈھ قلعہ کے محاصرہ کے وقت جس نے شیواجی کی مدد کی وہ ''شوا'' ایک مشہور نائی تھا۔
افضل خان کے قتل کے وقت شیواجی کا بااعتماد اور پھرتیلا جانباز ساتھی ''جوامہال'' بھی ایک نائی تھا۔
اس کا خاندانی نام سنپکال تھا۔یہ شخص علاقہ جاولی کے ایک موضع کونڈولی کا باشندہ ایک عام آدمی تھا۔

شیواجی کے شعبۂ جاسوسی کا سربراہ بہرو جی نائیک ذات کا راموشی تھا۔ کاشتکاری کر کے زندگی گذارنے والاے سیدھے سادے عوام کا شیواجی نے تعاون حاصل کیا اور اس طرح اپنی حکومت قائم کی۔کاشتکاری کرنے والا مراٹھا،کنبی روایتاً شودر ہی تصور کیا جاتا تھا۔

صرف افراد کا ہی نہیں بلکہ ان طبقات کا بھی تذکرہ تاریخ میں درج ہے،سبھاسد بھکر میں یہ درج ہے کہ بیرڈ، راموشی، آڈے کری، وغیرہ وغیرہ جیسے لوگوں کو شیواجی نے ان کی صلاحیت کے مطابق ملازمتیں دیں۔ (سبھاسد بھکر ص:۲۱) اس کی وجہ سے حکومت میں جرائم بغاوتیں کبھی نہ ہوتیں۔جرائم پیشہ سمجھے جانے والے طبقات کے لوگوں کو جب کارنامے انجام دینے کے مواقع ملتے ہیں تب وہ ان حرکتوں سے باز آتے ہیں۔

شیواجی مہاراج نے جو بحری بیڑے تیار کئے اس میں روایتاً کھشتری نسل سے تعلق رکھنے والوں یا مراٹھوں کی مدد نہیں لی۔ جہاں بحری بیڑے کا سربراہ دریا وردی مسلمان تھا، وہیں بحری فوج میں سپاہیوں کا انتخاب کولی،سون کولی، بھنڈاری، مسلمان طبقات سے کیا۔جولوگ سمندر کی مدد سے اپنی زندگی کا گذارا کرتے تھے۔انہیں لوگوں میں سے محنتی افراد کو شیواجی نے سپاہی بنایا۔

عام لوگوں کو شیواجی نے بڑا بنایا اور پھر انہیں سیدھے سادے عوام نے شیواجی کو بڑا بنایا اور سب نے مل کر ایک بڑا کارنامہ انجام دیا۔عام لوگوں میں جب اچھی فکر پیدا ہوتی ہے تو یہی فکر ایک طاقت بنتی ہے اور یہ طاقت عام انسانوں سے غیر معمولی کارنامے انجام دلواتی ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ عوام کے تعاون اور مدد کے بغیر کبھی غیر معمولی کارنامے انجام نہیں دیئے گئے۔

اونچے خاندان کے لوگ پہلے سے مسند نشین ہوتے ہیں۔ان کے کاروبار ترقی پذیر رہتے ہیں جو نظام جاری ہے اس میں وہ کوئی تبدیلی نہیں چاہتے۔لیکن غریب طبقہ جو اس نظام کے ظلم کا شکار ہوتا ہے۔وہ تبدیلی چاہتا ہے اور شیواجی نے انہیں لوگوں کو منظم کیا انہیں بیدار کیا انہیں بڑا بنایا

اور ظلم کو روک دیا۔جنہیں ظلم سہنا پڑتا ہے۔وہی ظلم کو ختم بھی کرتے ہیں۔جولوگ ظلم کرنے میں معاون ہوتے ہیں وہ کیوں ظلم کے خاتمہ کے لئے کوشش کریں گے؟

شیواجی اور تبدیلئ مذہب

شیواجی مذہب پر عمل پیرا تھے مگر مذہب پر ان کا اعتماد و یقین اندھا نہیں تھا کہ مذہب کے دائرہ کار میں نہ آنے والی حرکات کا مرتکب ہوتا۔کام اہمیت کا تھا۔مذہب کی باریکیاں اور اس پر عمل اہمیت کا نہ تھا۔ایک مرتبہ مسلمان ہونے پر مذہب ترک کیا۔مذہب ترک کیا اس کے معنی وہ ختم ہوا اس لئے وہ مر گیا۔ختم ہوا تو زندہ کیسے ہوگا؟ اس جنم میں گناہ کا مرتکب ہوا تو آئندہ جنم میں تو وہ انسان بھی نہیں بن سکتا۔ایک کیڑہ یا چیونٹی ہوگا۔ایسی تعلیم ہندو مذہب کی ہے۔شیواجی کے زمانے میں ان عقائد پر پختہ یقین رکھا جاتا تھا۔لیکن شیواجی نے مسلمان ہونے والے ہندو کو دوبارہ ہندو کیا۔صرف ہندو ہی نہیں کیا بلکہ ان سے رشتہ کیا۔انہوں نے مذہب ترک کیا اس لئے وہ کم ذات کے شودر ہوئے اور خود ان سے رشتہ کیسے کریں۔ان باتوں کو شیواجی نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔

(نوٹ: ۱۸۲۲ء میں ضلع ستارہ کے تعلقہ پھلٹن کے جاگیردار نائک نمبالکر گھرانے میں ایک دستاویز دستیاب ہوئی۔جس سے ایک اہم تاریخی واقعہ سامنے آیا ہے۔اس کے مطابق مدھو جی نائک ساکن پھلٹن نے اپنی ایک لڑکی سائی بائی کی شادی راجہ شیواجی سے بیجاپور میں کی اس شادی میں بیجاپور کے حکمران محمد عادل شاہ نے شرکت کر کے شاہ جی (شیواجی کے والد) کو اعزاز بخشا۔یہ واقعہ ۱۶۴۱ ~~۱۶۴۰~~ء کا ہے۔بعد میں مدھو جی نائک پر الزام لگا کہ وہ اپنے داماد شیواجی کے ایما پر شورش کا مرتکب ہوا ہے۔مدھو جی نائک اپنے تینوں بیٹوں، جی نائک، سابا جی نائک اور جگدیو کے ساتھ شیرواڑ نامی علاقہ میں ''بھولی'' دیہات میں مقیم تھا۔جب محمد عادل شاہ کو مدھو جی نائک کی شورش کی اطلاع دی گئی تو اس کے خلاف کی گئی کارروائی میں مدھو جی نائک مارا گیا۔اس کے ایک لڑکے بجاجی نائک کو گرفتار کر کے بیجاپور لے جایا گیا۔اس وقت بجاجی نائیک کی بیوی حاملہ تھی۔وہ خفیہ طور پر فرار ہو کر اپنے والدین کے پاس گئی۔جہاں اسے ایک لڑکا مہاد جی نام کا پیدا ہوا۔بجاجی نائیک کو بیجاپور کے حکمران نے موت کی سزا سنائی۔مگر بیجاپور کے غیر مسلم سردار مانے، گھاٹگے، گھور پڑے وغیرہ نے بادشاہ سے سفارش کر کے بجاجی نائیک کی جان بچائی۔بجاجی نائک مسلمان

ہوا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ بادشاہ بیگم نامی اپنی لڑکی کی شادی بیجاجی سے کی۔ کچھ دن بیگم کو اپنے پاس رکھ کر محمد عادل شاہ نے انہیں پھلٹن روانہ کیا اور جاگیرداری کی سند دی۔ بعد میں بیگم کا انتقال ہوا جس سے بیجاجی کو افسوس ہوا۔ بیجاجی کی پہلی بیوی سے مہادجی پیدا ہوا تھا۔ اس سے پونہ میں شیواجی نے اپنی لڑکی کی شادی کردی۔ اس واقعہ کو شیواجی کی وسیع القلبی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ مگر مہاراشٹر کے مشہور مورخ، مصنف اور ماہر لسانیات سیتو مادھو پگڑی (متوفی ۱۹۹۴) نے اپنی کتاب ''شیوچرتر ایک مطالعہ'' ۱۹۷۱ء میں تاریخی حقائق کی بنا پر اس واقعہ سے اختلاف کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ بیجاپور کے حکمراں ایک باغی غیر مسلم کو کیسے اپنی لڑکی دے سکتے ہیں۔ بیجاجی نائک کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کا تبدیل شدہ نام کیا تھا؟ اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔ تواریخ میں تال میل نہیں ہے ''بیگم'' کا پورا نام معلوم نہ ہوسکا۔ عادل شاہی دربار کے شاعر ظہوری نے ''محمد نامہ'' میں اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے وغیرہ وغیرہ: مترجم)

بیجاجی نائک نمبالکر یا نیتاجی پالکر مسلمان ہوئے۔ ان کی ختنہ ہوئی۔ مسلمانوں میں پانچ دس سال رہ کر واپس آنے والے مراٹھوں کو انہوں نے دوبارہ ہندو مذہب میں لیا۔ جن مسلمانوں کو ''لانڈیا'' جیسے الفاظ سے حقارت سے یاد کیا جاتا ہے اس نائک نمبالکر کے گھرانے میں شیواجی نے اپنی لڑکی دی۔ افغانستان میں ۸ سال رہ کر واپس آنے والے نیتاجی پالکر کو ''شدھ'' کر کے اپنے دسترخوان پر ساتھ لیا۔ (نوٹ: نیتاجی پالکر مراٹھا سردار تھا۔ اسے اورنگ زیب کے دور میں مسلمان بنایا گیا۔ اس کا نام محمد قلی خان رکھا گیا۔ اس کی ختنہ کی گئی اس نے اورنگ زیب کی فوج میں خدمات انجام دیں۔ افغانستان کی مہمات میں شریک رہا۔ بعد میں وہ دوبارہ ہندو ہوا اور مہاراج شیواجی کی فوج میں ایک سردار کی حیثیت سے خدمات انجام دیں: مترجم)

مذہب کے معاملہ میں بعد کے پیشوائی دور میں اس خیال کو پس پشت ڈالا گیا کیونکہ سب سے بہادر برہمن پیشوا باجی راؤ خود کی مسلمان داشتہ مستانی سے پیدا شدہ لڑکے کو ہندو بنا نہ سکے۔ باجی راؤ کی خواہش تھی کہ مستانی سے پیدا شدہ لڑکے کو ہندو بنایا جائے۔ اور اس کا نام شمشیر بہادر کے بجائے کرشنا سنگھ رکھا جائے لیکن باجی راؤ یہ کر نہ سکا برخلاف اس کے اسے خود گھر کے باہر جانا پڑا۔

کیا شیواجی کا ہندو دھرم اور پیشوائی کے دور کا ہندو دھرم ایک ہی تھا؟ شیواجی نے اچھوت

مہاروں کو قلعہ دار بنایا تھا۔ لیکن پیشوائی کے دور میں ان کی پیٹھ کو جھاڑو باندھنا اور گلے میں ڈبہ لٹکانا پڑتا تاکہ راستہ صاف رکھا جائے۔ (نوٹ: پونہ کے برہمن پیشواؤں کے دور میں دلتوں کو ایک جھاڑو، پیچھے لٹکانا پڑتا تاکہ چلتے وقت جس زمین پر ان کے پیر پڑتے وہ حصہ جھاڑو سے صاف ہو۔'' گلے میں لٹکائے ہوئے ڈبہ میں ہی وہ تھوک سکتے تھے۔ سڑک یا راستہ پر تھوکنے کی اجازت نہیں تھی۔ (مترجم)

شیواجی کے نام پر سینا قائم کر کے ہندوؤں میں اتحاد قائم کرنے نکلے سینا پتیوں کو کون سا ہندو دھرم مستحکم کرنا ہے؟ شیواجی کا یا پیشوائی کا؟ شیواجی مہاراج اندھے عقائد اور جامد فکر کے خلاف تھے۔ اس سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔

پیدائش کے وقت بچہ اگر اوندھا پیدا ہو تو ان فرسودہ اندھے عقائد کے مطابق نحوست کی علامت ہے راجہ رام (شیواجی کے دوسرے بیٹے) پیدائش کے وقت اوندھے پیدا ہوئے یہ دیکھ کر سب خاموش ہوگئے۔ لڑکے کی پیدائش پر کسی نے بھی خوشی کا اظہار نہیں کیا۔ شیواجی مہاراج کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے کہا کہ ''لڑکا اوندھا پیدا ہوا ہے وہ مسلمان بادشاہوں کو اوندھا کر دے گا''۔ یہ سن کر سبھی نے خوشی کا اظہار کیا۔ (سبھاسد بکر صفحہ: ۶۵)

عقیدہ ایک اور چیز ہے۔ اندھا عقیدہ ایک اور چیز

۵: تاریخ کو مسخ کرنے کا سبب؟

شیواجی ایک اوتار

شیواجی کو چاہنے والوں میں سے کئی لوگوں کا عقیدہ ہے کہ شیواجی پرمیشور کا ایک اوتار ہے۔ کوئی انہیں شیوا کا اوتار کہتا ہے اور کسی کے لئے وہ وشنو کا اوتار ہے۔ ہمارے ملک میں کسی شخص کو دیو بنانے کے لئے زیادہ وقت نہیں لگتا۔ اور یہ قدیم روایت ہے۔ تاریخ کی مشہور شخصیتوں کو چھوڑ دیئے کسی اچھے آدمی کو دیو مانس کہنے کی ہمارے پاس روایت ہے۔

کوئی مشہور بڑا آدمی ہوا اور اس نے لوگوں کے مفاد کی خاطر کچھ کارنامے انجام دیئے ہوں تو ہم فوراً اس کو دیو کہتے ہیں۔ اس میں کچھ ضعیف الاعتقادی ہے اور کچھ لوگوں کا مقصد دھوکہ بازی اور فریب ہے۔ دیو کی جب تک تخلیق نہ کی جائے بھکتوں کے مقاصد کب پورے ہوں گے۔ اسی لئے بھکت، دیو کی تخلیق کرتے ہیں اور اپنے مقاصد پورے کرتے ہیں۔ شیواجی مہاراج کو ان کے ہم عصروں نے دیو اوتار سمجھا یا نہیں یہ تو معلوم نہ ہو سکا لیکن ان میں کچھ غیر معمولی کراماتی قوت عمل ضرور تھی۔ اسی لئے اس دور میں مشہور تھا کہ شیواجی کو پرندہ کی طرح اڑنا آتا ہے۔ پونہ میں ایک دیوار کے اندر سے شائستہ خان کے سامنے ان کا اچانک ظہور ہوا ان میں غائب ہونے کی صلاحیت تھی اور ظاہر ہے یہ تمام باتیں جو ان سے منسوب تھیں، جھوٹی تھیں۔ اس دور میں ان افواہوں سے شیواجی کو اپنے چاہنے والوں کا اعتماد حاصل کرنے میں فائدہ بھی ہوا ہوگا۔ لیکن جہالت میں اور تاریخ میں فرق ہے۔

شیواجی ایک انسان تھے۔ ایک اچھے انسان تھے۔ ایک بڑے انسان تھے۔ چالاک اور دور اندیش تھے۔ اصولی اور عملی انسان تھے۔ لیکن تھے انسان۔ وہ نہ دیو تھے اور نہ اوتار۔

شیواجی کو دیو بنانے سے کیا حاصل ہوتا ہے اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ہم

شیواجی کے نقش قدم پر چلنے کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ ''شیواجی جیسا عمل کرو۔ رعایا کو مت ستاؤ۔ عصمت دری کرنے والوں کو معاف نہ کرو۔ عوام کی ملکیت کی سبزی کی کاڑی کو بھی ہاتھ مت لگاؤ۔ خود کے مذہب پر ایمان رکھو۔ مگر دوسرے مذہب کے پیروؤں سے نفرت نہ کرو۔ وغیرہ'' قسم کے مطالبات کیے جائیں گے تو جواب ملے گا: ''کہاں شیواجی اور کہاں ہم؟'' ہم تو ایسے ہی رہیں گے۔'' دیو بنا دیا۔ سال میں ایک مرتبہ شیواجی مہاراج کی جئے۔ جینتی (پیدائش) منانا۔ چندہ جمع کرنا۔ تھوڑا خرچ۔ تھوڑا جیب میں نہیں بلکہ تھوڑا خرچ اور زیادہ جیب میں۔ کپڑوں کو گلال لگایا۔ گلال لٹایا۔ پیشانی پر خوشبو بس اور خود کو شیو بھکت کہلوایا۔ ذمہ داری ختم۔ اب شیواجی نے جو کچھ کہا اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ شیواجی نے تو عوام کی مدد کی۔ مگر اب ان کے منافق بھکتوں نے کیا کیا؟ کیا عوام کی مدد کی؟ نہیں! ان کے منافق بھکتوں نے عوام کو خوف زدہ کر کے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ شراب کے اڈوں پر، مٹکے کی گاڑیوں پر، غیر قانونی گاڑیوں پر شیواجی کا جھنڈا اور شیواجی کی تصویر لگا کر ہر قسم کے سیاہ اور غیر قانونی حرکات کا ارتکاب ہونے لگا یہ شیواجی کا غلط استعمال ہے۔ شیواجی کو صحیح طور پر سمجھ کر ان حرکات سے اجتناب ضروری ہے۔ منافق بھگت کون ہے اور حقیقی طور پر شیواجی کو چاہنے والے میں فرق کو سمجھنے کے لئے شیواجی کو سمجھنا ضروری ہے۔

شیواجی اور بھوانی تلوار

بھولے بھالے شیو بھکتوں اور کچھ پڑھے لکھے افراد کے ذہنوں میں شیواجی کی کامیابی کی وجوہات کے بارے میں ایک عقیدہ آ گیا ہے وہ یہ کہ تلجا بھوانی شیواجی مہاراج پر خوش تھی۔ اس لئے شیواجی کامیاب رہے۔ مہاراشٹر کے ایک چیف منسٹر نے (بیرسٹر عبدالرحمٰن انتولے: مترجم) شیواجی کی بھوانی تلوار کی تلاش کر کے شہرت حاصل کرنے میں بہت سارا وقت صرف کیا۔ دوسری طرف مہاراشٹر کے ایک دوسرے لیڈر نے جئے شیواجی، جئے بھوانی کے نعروں پر مہاراشٹر میں اپنی حکومت قائم کرنے کی خواہاں ہیں۔

تاریخ کے محقق یہ ثابت کر چکے ہیں کہ شیواجی مہاراج کی استعمال کی ہوئی تلوار پرتگال میں تیار ہوئی تھی۔ پرتگال میں دھاتوں سے تلوار تیار کرنے کی صنعت ہمارے ملک سے بھی زیادہ ترقی

پرتھی۔ پرتگالیوں کے ذریعے یہ تلوار گوآ آئی۔ وہاں سے وہ ساونت کے پاس آئی۔ پھر وہاں سے وہ مہاراج کے پاس آئی یہ صحیح تاریخ اس تلوار کی ہے۔ اس تلوار کا بھوانی ماتا سے کسی قسم کا تعلق نہیں۔ ساتارہ میں ایک میوزیم ہے وہاں ایک تلوار ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تلوار شیوا جی مہاراج استعمال کیا کرتے تھے۔ یہی تلوار بھوانی تلوار ہے اس کے بارے میں تنازعہ ہے۔ لیکن ستارہ کے میوزیم میں اس تلوار پر پرتگالی زبان کے الفاظ کندہ ہیں یہ آج کوئی بھی دیکھ سکتا ہے۔

لوگوں کی جہالت اور ان کے اندھے عقیدہ کا فائدہ اٹھا کر اپنے مفاد کے لئے کام کرنے والے عوام کو صحیح حقائق سے کبھی واقف ہونے نہیں دیتے۔ صبح شام جئے شیوا جی۔ جئے بھوانی کے نعرے لگانے سے نہ شیوا جی کو سمجھ پائیں گے اور نہ ان کو معلوم ہوگا کہ بھوانی ماتا کیا ہے؟

منافق بھکتوں سے شیوا جی کو دھوکہ

عظیم شخصیتوں کے بارے میں ایک افسوسناک پہلو سامنے آتا ہے وہ یہ کہ ان کی زندگی میں اس دور کے مروّجہ نظام سے وابستہ شخصیتیں ہمیشہ ان عظیم شخصیتوں کی مخالفت کرتی ہیں، ان کے اصولوں، ان کے کارناموں، اور ان کی کارکردگی سے نالاں رہتی ہیں۔ اور ممکن ہو تو ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش بھی کرتی ہیں۔ اس کے باوجود ان عظیم شخصیتوں کی عظمت ختم نہیں ہوتی کیونکہ عوام ان کی زندگی میں ان شخصیتوں کو اور ان کے بعد ان کے خیالات کو قبولیت عطا کرتے ہیں اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جب عوام میں ان کی مقبولیت اور ہردلعزیزی بڑھ جاتی ہے تو ان کے مخالف دوسرے حربے استعمال کرتے ہیں۔ یہی مخالف لوگ اب ان عظیم شخصیتوں کی قدردان بنتے ہیں۔ ان کی تعریفیں کرتے ہیں۔ ان کے یوم پیدائش اور ان کے یوم وفات مختلف طریقوں سے منانا شروع کرتے ہیں۔ ان کے نام کے مندر تعمیر کرتے ہیں۔ ان کی تصاویر چھپاتے ہیں۔ ان کی مساوات کی تعلیم، انسانی بھلائی کے پیغام کو مسخ کرنا شروع کیا جاتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے اصلی مقاصد کو ختم ہی کر دیا جاتا ہے۔ جھوٹی تاریخ لکھی جاتی ہے۔ جھوٹی تاریخ پڑھائی جاتی ہے۔ عوام کو پھنسایا جاتا ہے۔ اور کوشش یہ کی جاتی ہے کہ مروجہ نظام سے جن لوگوں کے مفاد وابستہ ہیں ان کے خلاف ان عظیم شخصیتوں کا پیغام اور ان کی تعلیمات کسی طرح نہ

پہنچ سکے۔ سچ اور جھوٹ سے آمیزہ نا معلوم طریقہ سے ایسا پیش کیا جاتا ہے کہ جو خیالات مفاد پرست لوگوں کے خلاف ہیں وہی ان کے مفاد کا تحفظ کر سکیں۔

جن عظیم شخصیتوں کی تصاویر عوام میں احترام کی حامل ہوتی ہیں۔ جن پر عوام کا اعتقاد ہوتا ہے۔ عقیدہ ہوتا ہے ان عظیم شخصیتوں کو سماج کے بدقماش لوگ اپناتے ہیں۔ پھر ان کی تصویر کو مسخ کرنے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ان کی تعلیمات کے مغز کو ختم کیا جاتا ہے۔ رائج الوقت نظام سے جن لوگوں کا مفاد وابستہ ہوتا ہے ان میں کچھ دولت مند ہوتے ہیں کچھ اس نظام میں معزز سمجھے جاتے ہیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ بنیادی طور پر یہ ایک ہی ہوتے ہیں۔ یہ صورت حال بہت سی شخصیتوں کے ساتھ ہوئی اور یہ عمل آج بھی جاری ہے۔

دیانیشور نے سنسکرت زبان کے علوم سیکھ کر ان مٹھی بھر لوگوں کی اجارہ داری ختم کی جنہیں سنسکرت کا علم حاصل تھا۔ لوگوں کو یہ علم دیا کم سے کم تر علم والوں کو علم دیا ایسی زبان میں دیا جس کو وہ سمجھ سکیں۔ بھینسوں سے بھی وید کہلوایا۔ اس دور کے علم کے ٹھیکہ داروں کے خلاف یہ ایک بغاوت تھی علم کے ٹھیکہ داروں نے ان کے خیالات ہی نہیں ان کی زبردست مخالفت کی۔ سنیاسی کی اولاد کہہ کر دیانیشور اور ان کے بھائیوں اور بہن کو ذات باہر کر دیا۔ ان کی مونج (ایک مذہبی رسم جس میں برہمن کے بچوں کو ۱۱ رسال کی عمر میں ڈوری ڈالی جاتی ہے: مترجم) کرنے سے انکار کر دیا۔ جن لوگوں نے دیانیشور کی زندگی میں ان کی مخالفت کی، ان کے علم کی اشاعت کی مخالفت کی وہی لوگ بعد میں دیانیشور کی تعریف کے پل باندھنے لگے۔ اور انہی لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ دیانیشور جیسا عظیم شخص کبھی نہیں گذرا۔ اور دیانیشور کا نام لیتے لیتے عام آدمی کے تعلیم حاصل کرنے کے حق سے انکار کیا۔ اس کے باشعور بننے پر پابندی عائد کی جانے لگی۔

دیانیشور سے قبل علم کی عام زبان میں اشاعت کرنے والے چکر دھار جیسے سنتوں کو بھی بے وقعت کر دیا گیا۔ تکارام کی زندگی میں ممباجی اور ان کے ساتھیوں نے ان کی خوب مخالفت کی۔ ان کے لکھے گئے ابھنگ (اشلوک) ندی میں ڈبو دیئے گئے۔ ان کی تحریریں (جو گاتھا کہلاتی ہیں) اندراین ندی (پونہ کے قریب) میں ڈبو دی گئیں۔ خود تکارام کے ساتھ کیا سلوک کیا کسے معلوم۔ لیکن یہ افواہ اڑائی گئی کہ تکارام اپنے جسم کے ساتھ ویکنٹھ (جنت) میں چلے گئے۔ اور انہیں ویکنٹھ لے جانے والا ہوائی جہاز بھی سینما میں دکھایا گیا۔

ندی میں ڈوبنے کے باوجود تکارام کے ابھنگ (اشلوک) لوگوں کے ذہنوں میں باقی رہے۔لوگ انہیں کو دہرانے لگے۔ابھنگ ندی میں ڈوب کر اور تکارام کو وینکنٹھ میں پہنچانے کے بعد جب دیکھا کہ تکارام اور اس کی فکر کو ختم نہیں کیا جا سکتا تب ممباجی کے تمام ورثاء تکارام کے گن گانے لگے۔ان کے ابھنگ میں بناوٹی ابھنگ داخل کئے جانے لگے۔ان ابھنگوں پر کیرتن اور گیت گائے جانے لگے۔ لیکن یہ احتیاط برتی گئی کہ تکارام نے اندھے عقائد اور ناانصافی کے خلاف جو تعلیمات دیں وہ عوام تک کسی طرح پہنچنے نہ پائے۔

دور کیوں جائیں، مہاتما گاندھی کا کیا حشر کیا؟ طے شدہ پلان کے مطابق انہیں قتل کیا گیا۔ سازش کے تحت ان کا قتل ہوا۔سازش میں شریک شدہ لوگ بڑی چالاکی سے بری ہوئے۔ کچھ پھانسی کے تختے پر چلے گئے۔ کچھ سزا پا کر چھوٹ گئے۔اور اب کہتے ہیں کہ گاندھی کا قتل ایک سرپھرے نے کیا۔کیا سازش کرنے والے سرپھرے ہوتے ہیں؟ پونہ کے راشٹریہ سیوک سنگھ کے ایک لیڈر نے یعنی نتھورام گوڈسے نے مہاتما گاندھی کا خون کیا، کیا وہ سرپھرا تھا؟

جس وقت مہاتما گاندھی کا قتل ہوا اس وقت مٹھائی تقسیم ہوئی اور کھائی گئی۔نتھورام گوڈسے کو شہید بنایا گیا اور اس کی تعریف کی گئی اور نتھورام گوڈسے کے چاہنے والے اور اس کے معاون کیا کہتے ہیں۔''ہم گاندھی وادی، سماج وادی ہیں۔'' عجیب کمال ہے۔

جب دیکھا کہ مہاتما گاندھی ختم نہیں ہو پاتے تو خود کو گاندھی وادی کہنا شروع کیا اور اسطرح گاندھی کو مکمل طور پر ختم کرنے کی مہم شروع کی۔دنیا کی تاریخ سے ایسی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔

آج شیواجی ہوتے تو...

جس طرح دیانیشور، تکارام، مہاتما گاندھی، کی شکل بگاڑ دی گئی اسی طرح شیواجی کی بھی تصویر بگاڑنے کا کام طویل عرصہ سے شروع ہوا ہے اور آج بھی جاری ہے۔

شیواجی وطن (جاگیر، انعام) دینے کے خلاف تھے۔زندگی بھر اس سے باز رہے۔لیکن آج کے شیو بھکت نئی نئی جاگیریں قائم کر رہے ہیں۔ان وطن داروں سے کہا جا رہا ہے کہ تمہاری جاگیروں میں تم جو چاہے کر سکتے ہو۔عوام کو جیسے چاہو لوٹ لو۔کھاؤ، پیو، مزے کرو، اور حکومت

چلانے میں ہماری مدد کرو۔بس اتنا ہی۔ہم بھی عوام کو لوٹیں گے اور تم بھی لوٹنا۔ہم کروڑوں روپئے ہڑپ کریں گے۔تم لاکھوں لوٹ لینا۔

شیواجی کے دور کے وطن (جاگیر) آج نہیں ہیں۔یہ سچ ہے۔لیکن نئے وطن اور نئے وطن دار بڑھ رہے ہیں۔ ضلع پریشد کی جاگیریں تمام اضلاع میں ہیں۔ شکر سمراٹ (شکر کارخانوں کے چیئرمین اور ڈائریکٹر) یہ بھی وطن دار ہیں۔مختلف کارپوریشن بھی ایک طرح سے جاگیر بن گئی ہیں۔ امداد باہمی کے اصولوں پر قائم شدہ ادارے، بلدیئے، اسمبلیوں کی رکنیت، پارلیمنٹ کی رکنیت، بھی جاگیروں کی ہی شکلیں ہیں۔اور یہ وطن داریاں اور جاگیریں نسل در نسل لئے اور دیئے جانے لگی ہیں۔

جمہوریت میں اقتدار کو کبھی کسی ایک کے ہاتھوں میں مرکوز کرنا نامناسب ہے۔اس اصول کی کوئی بھی مخالفت نہیں کرے گا۔لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ اس اصول کو اپنا کر نئی جاگیریں قائم کی جائیں۔شیواجی کے دور میں وطن دار اور جاگیردار جس طرح عوام پر ظلم کرتے تھے آج یہ نئے وطن دار انہیں حرکات کے مرتکب ہوئے ہیں۔آج کے دور میں ان شکر کے سمراٹوں (شکر کے کارخانوں کے چیئرمین ڈائرکٹر وغیرہ) کے خلاف کوئی عام آدمی آواز اٹھائے تو پھر اس کی خیر نہیں۔اسے قرض نہیں ملے گا۔کھاد نہیں ملے گا۔کارخانہ اس کا گنا نہیں خریدے گا۔اور صرف دو سال میں وہ شخص جس نے آواز اٹھائی تھی برباد ہو جائے گا۔ایک آدمی کے برباد ہونے سے خائف ہو کر دوسرے دس آدمی ان سمراٹوں کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکیں گے۔اور اس طرح ان نئے جاگیرداروں کی جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔

عوام کی جوان لڑکیاں کیا ان وطن داروں، جاگیرداروں کی نظروں سے بچی ہوئی ہیں۔ رعیت کی فصل کی ایک کاڑی کو بھی ہاتھ نہ لگانے کی ہدایت دینے والے شیواجی کے اس مہاراشٹر میں کیا ان نئے وطن داروں، جاگیرداروں کی سربراہی سے عوام فکرمند نہیں ہیں؟ اور یہ سب کچھ شیواجی مہاراج کی جئے کہہ کر شروع ہوتا ہے۔ کتنی بھیانک شکل ہے۔آج اگر شیواجی ہوتے تو وہ کیا کرتے؟ یہ صحیح ہے کہ آج وہ موجود نہیں ہیں۔اور وہ دوبارہ نہیں آئیں گے مگر ان کی ہدایات تو موجود ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان کی تعلیمات کو اپنا کر ان نئے وطن داروں اور جاگیرداروں پر حملہ کیا جائے اور یہی شیواجی کو خراج عقیدت دینے کے مترادف ہوگا۔

آج شیواجی کے نام پر نعرے لگا کر ہندو مسلم فسادات کرائے جاتے ہیں۔ان مذہبی کٹر

پنتھیوں کو یہ بتانا ضروری ہے کہ شیوا.جی کٹر پنتھی نہیں تھے۔ انہوں نے ہندو مذہب پر ایمان رکھ کر
مسلمانوں کے خلاف کبھی بھی نفرت کا اظہار نہیں کیا۔ وہ یقیناً مذہب پر ایمان رکھتے تھے۔ مگر اندھی
تقلید نہیں کرتے تھے۔ ہندوؤں میں کٹر پنتھی فسادی ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں میں بھی ہیں۔ کچھ تو
مسلمان اپنے آپ کو شہنشاہوں کے وارث سمجھتے ہیں۔ اور پھر اس زعم میں ہیں کہ اس ملک پر انہوں
نے حکومت کی ہے۔ لیکن انہیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ اس ملک پر جب مسلمانوں کی حکومت تھی تو تمام
مسلمان بریانی نہیں کھایا کرتے تھے اور نہ شراب پیا کرتے تھے۔ اکثریت بیچارے غریبوں کی تھی۔

شیوا.جی کا سوراج قائم کرنے میں جن مسلمانوں کی جانیں قربان ہوئیں جن کا خون بہا وہ
بھی تو تمہارے آبا و اجداد ہی تھے۔ اورنگ زیب جس طرح تمہارے آبا و اجداد میں سے تھا کیا وہ
مداری مہتران میں سے نہیں تھا؟ عادل شاہ اگر تمہارے آبا و اجداد میں سے تھے تو کیا ابراہیم خان
(شیوا.جی کی فوج کا سردار) دولت خان (شیوا.جی کے بحریئے کا سربراہ) قاضی حیدر (شیوا.جی کا
سکریٹری) تمہارے کوئی نہ تھے؟ شیوا.جی کا قائم کیا ہوا سوراج صرف ہندوؤں کے لئے نہیں تھا بلکہ
مہاراشٹر کے مسلمانوں کیلئے بھی تھا۔ پھر مہاراشٹر کے مسلمانوں کو شیوا.جی کو اپنا تسلیم کرنے میں کیوں
انکار ہے؟

جس طرح شیوا.جی کا نام لے کر مسلمانوں پر حملے ہوتے ہیں اسی طرح دلتوں پر بھی حملے
ہوتے ہیں۔ جئے بھوانی۔ جئے شیوا.جی کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔ دلتوں کو ملازمتوں میں دیئے جانے
والے ریزرویشن کی مخالفت کرنے والے شیوا.جی مہاراج کی جئے کہنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ
شیوا.جی نے جان بوجھ کر دلتوں کو اپنی ملازمتوں میں رکھا تھا۔ انہیں بڑھایا اور ترقی دی۔

تاریخ کو کیوں مسخ کیا جاتا ہے؟

بات عصری تاریخ کی ہو یا قدیم تاریخ کی۔ عظیم شخصیتوں کے کردار، ان کے افکار، ان کے
فیضان کو کیوں مسخ کیا جاتا ہے؟ یہ یوں ہی واقع نہیں ہوتا۔ اس میں جس طرح نادانی کو دخل ہے اسی
طرح شرارت اور خود غرضی بھی شامل ہے۔ دونوں کے اثرات ایک ہی ہوتے ہیں۔

شیواجی کے ساتھ کیا ہوا؟

نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو شیوا.جی کی شہرت و ہردلعزیزی میں اضافہ ہوا یا کمی؟
سب نے مل کر شیوا.جی کا کیا کیا؟ پچھلے پچاس برسوں میں شیوا.جی کو بڑا کیا یا چھوٹا۔ علاقائی
کرناٹک بڑودہ میں آویزاں کی جاتی تھیں۔ عظیم تر مہاراشٹر کی تحریک شروع ہوئی اور ہم تمام نے
پچاس سال قبل شیوا.جی مہاراج کی تصویریں مہاراشٹر کے باہر کے علاقوں میں جیسے جنوبی
شیوا.جی مہاراج کی مدد سے مہاراشٹر کے جذبات کو خوب اجاگر کیا۔ عظیم تر مہاراشٹر کی تحریک صحیح تھی۔
درست تھی۔ ریاستی زبان مراٹھی کو وسعت دے کر اس کی مدد سے شیوا.جی مہاراج کی تاریخ کو زندہ
کرنا اس سے استفادہ کرنا۔ یقیناً درست تھا۔ مگر ہم یہ سب کچھ کرتے ہوئے اعتدال کو بھول گئے۔
عظیم تر مہاراشٹر کی تحریک کے ایک عظیم مبلغ اچاریہ آترے نے جب یہ کہا کہ ''مہاراشٹر کی
تاریخ ہے جبکہ دوسروں کی صرف جغرافیہ ہے۔'' تو اس جملہ پر خوب تالیاں بجتی تھیں۔ لیکن یہ ایک
قسم کی شدت تھی۔ یقیناً مہاراشٹر میں شیوا.جی ہردلعزیز ہیں۔ جہاں شیوا.جی کی تاریخ ہے وہیں
کرناٹک میں رانی چنما کی تاریخ ہے۔ کیا راجستھان میں رانا پرتاپ کی تاریخ نہیں ہے؟ کیا مدھیہ
پردیش اور گجرات کی ریاستیں اچانک وجود میں آئیں؟ عظیم تر مہاراشٹر کی تحریک کے دوران
اعتدال ہاتھ سے چھوٹا۔ عظیم تر مہاراشٹر وجود میں آیا۔ اور جو شیوا.جی مہاراشٹر کے باہر بھی تھا۔ اس کو
ہم نے مہاراشٹر تک محدود کر دیا۔
اب مہاراشٹر میں کیا ہو رہا ہے؟ شیوسینا کا وجود عمل میں آیا۔ ابتداء میں میں غیر
مہاراشٹرین کے خلاف اور پھر مسلمان کے خلاف جو کہا گیا۔ کہا جاتا اور کیا جاتا ہے۔ سب کچھ
شیوا.جی کے نام پر ہوتا ہے۔ ہندو یکتا کا قیام، مراٹھا مہاسنگھ کا وجود، پتیت پاون تنظیم کا قائم ہونا یہ
سب بھی شیوا.جی اور بھوانی کے نام پر شور و غل ہو رہا ہے (مراٹھا مہاسنگھ اور پتیت پاون یہ دونوں
تنظیمیں ہندوتوا وادی ہیں: مترجم)
شیوا.جی جو مہاراشٹر کا تھا اس کے ساتھ مہاراشٹر کے ہندوؤں نے کیا سلوک کیا۔ اب تو
انہیں سارے ہندوؤں کا بھی نہیں رکھا۔ گئو برہمن پرتی پالک، بنا دیا۔ (گئو برہمن پرتی پالک کے
معنی گائے اور برہمن کا پالن ہار مترجم)

مراٹھا مہا سنگھ قائم کر کے صرف مراٹھوں کا بنا دیا۔ ملازمتوں میں ریزرویشن کی مخالفت کرتے ہوئے شیواجی کی جئے کے نعرے لگے۔ مراٹھواڑہ اور دوسرے علاقوں میں دلت بستیوں پر حملے کرتے وقت جئے بھوانی اور جئے شیواجی کے نعرے لگائے گئے اور اس طرح شیواجی کو صرف اونچی ذات کے ہندوؤں یعنی برہمنوں اور نئے پرانے سچے جھوٹے ۹۶ کلی (۹۶ کلی یعنی مراٹھوں میں اونچی ذات والے) مراٹھوں کا بنا دیا۔

خود کے مفاد کی خاطر شیواجی کا استعمال کیا۔ اس قسم کا واقعہ دوسری جنگ عظیم میں ہوا۔ برطانیہ کو فوج میں بھرتی کے لئے سپاہی درکار تھے۔ انہوں نے پوسٹر لگائے۔ اس پر شیواجی کی تصاویر چھاپی اور اعلان کیا ''شیواجی کے ماولوں (پونہ کے اطراف وادیوں اور پہاڑی علاقہ کے باشندے جن پر شیواجی کی فوج مشتمل تھی) فوج میں بھرتی ہو جاؤ۔ شیواجی بہادر تھا۔ تم بھی بہادر ہو۔ لڑائی کے لئے چلو''۔ ملک کو اپنے شکنجہ میں کسنے والوں نے بھی شیواجی کے نام سے فائدہ اٹھایا۔ اور اب موجودہ دور میں ملک کے مزید ٹکڑے کرنے والے غریب عوام میں مذہب کے نام پر نفرت پیدا کرنے والے بھی شیواجی کے نام کا استعمال کر رہے ہیں۔

جو ایسا کرتے ہیں انہیں کرنے دو مگر ہم ایسا کیوں کریں؟ وہ جھوٹی تاریخ لکھتے ہیں یا تاریخی حقائق کو مسخ کرتے ہیں۔ صرف جئے کہتے ہیں مگر ہم تو صحیح تاریخ سامنے لائیں۔ صرف جئے کہنا کافی نہیں ہے۔ اقتدار، دولت، عزت، علم وغیرہ سب کچھ جن کے پاس ہے جن کا سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے۔ وہ تو ان سب کو استقامت دینے کے لئے نہ صرف طاقت، ہتھیار اور اقتدار کا استعمال کرتے ہیں بلکہ اس کے لئے مخصوص سوچ وفکر کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس مخصوص سوچ وفکر کی اشاعت کرتے ہیں۔ اپنے خیالات سے قائل کرواتے ہیں ایسے اصول حلق سے اتارتے ہیں۔ ایسی تاریخ لکھتے ہیں اور سکھاتے ہیں اور اس سے ان کا فائدہ ہوتا ہے۔ جن کے پاس جو کچھ ہے وہ انہیں کے پاس رہنے دو۔ ان اصولوں کی خیالات کی بیج، جھوٹ، شرارتی، مسخ شدہ، تاریخ سے مدد ہوتی ہے۔ خیال وفکر بہت مؤثر ہتھیار ہوتے ہیں اور دیرپا ہوتے ہیں۔ بندوق سے بھی زیادہ مؤثر اور ان ہتھیاروں کا استعمال ایک مروجہ نظام کے لوگ خوب کرتے ہیں جن کے پاس جو کچھ ہے اسے قائم رکھنے کے لئے خیالات سوچ اور فکر کا استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کو بھی جو مفاد پرستوں کو بے اثر کرنا چاہتے ہیں خیالات، سوچ اور فکر کے ہتھیار کو ہی مؤثر طریقے سے

استعمال کرنا ہوگا۔

خیالات، سوچ وفکر کا کوئی متبادل نہیں۔ اس لئے آج کے عوام کو چاہئیے کہ شیواجی کی صحیح تاریخ کی تلاش کریں۔ اس کے صحیح معنوں کو سمجھیں۔ غیر ضروری چیزوں کو ترک کر کے اگلی منزل کی طرف جانے کیلئے اس میں ترقی پذیر خیالات اور فکر کا استعمال کر کے افادیت کے پہلو کو سامنے رکھیں۔

شیواجی کی تاریخ، شیواجی کے خیالات، اور ان کے کارناموں سے فیضان حاصل کرنے کے لئے بہت کچھ ہے۔ یہ اچھی طرح سمجھنا چاہئے اور انہیں آگے بڑھانا چاہئے۔

شیواجی مہاراج کے خطوط

نوٹ:۔شیواجی مہاراج نے وقتاً فوقتاً اپنے عہدہ داروں اور اس وقت کے حکمرانوں کو جو مراسلے رخطوط روانہ کئے تھے وہ دستیاب ہیں۔مصنف کتاب ہذا نے تین اہم خطوط کا انتخاب کر کے کتاب کے آخر میں ضمیمے کے طور پر شامل کیا ہے۔اورنگ زیب کے نام لکھا گیا مراسلہ فارسی میں ہے جبکہ پہلے دو مراسلے قدیم مراٹھی میں ہیں۔ذیل میں ان خطوط رمراسلوں کا اردو متن (اختصار سے) دیا گیا ہے۔(مترجم)

مراسلہ نمبر۔ا

قصبہ چپلون (Chiplun) علاقہ کوکن کے حملہ دار حوالدار اور کارکن کے نام ہے جو مورخہ ۱۲رصفر ۱۰۸۴ھ مطابق ۱۹رمئی ۱۶۷۳ءویشاکھ ۱۵۹۴کو لکھا گیا ہے۔

”تم لوگ حسب مرضی خوراک، گھانس استعمال کریں تو سب ختم ہو جائے گا۔ بارش کے موسم میں کچھ باقی نہیں رہے گا۔اس وجہ سے تمہیں بھوکا رہنا پڑے گا۔گھوڑے مر جائیں گے۔اس کے معنی یہ ہوئے کہ گھوڑوں کو تم نے ہی ہلاک کیا۔پھر تم چارہ، گھانس اور خوراک کے لئے آس پاس کے علاقہ کے لوگوں کو تکلیف دیں گے۔فوج کے سپاہی گاؤں گاؤں جائیں گے، کوئی کاشتکاروں کے پاس سے لے گا، کوئی روٹی، کوئی گھانس، کوئی جلانے کی لکڑیاں، کوئی سبزی طلب کرے گا۔اس تکلیف سے یہ کاشتکار اپنے مکانات چھوڑ دیں گے۔کچھ بھوک سے مر جائیں گے۔لوگ یہ محسوس کریں گے کہ مغلوں کے حملوں سے تمہارے حملے زیادہ تکلیف دہ ہیں۔عوام تلملا جائیں گے۔ایسی صورت میں عوام کو جو تکلیف اور گھوڑوں کا جو نقصان ہوگا اس کی ساری بدنامی کے لئے تم ذمہ دار رہیں گے۔اس کا احساس تمہیں ہونا ضروری ہے۔گھوڑ سوار اور پیدل سپاہی انتہائی احتیاط سے برتاؤ

کریں۔جو سپاہی فوج میں ہیں یا اس علاقہ کے دیہاتوں میں ہیں رعیت کو معمولی سی بھی تکلیف نہ دیں۔تم جہاں جہاں مقیم ہو وہاں سے نکلنے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں۔صاحب (شیواجی مہاراج) کے خزانہ سے ہر ایک کو تنخواہ دی جاتی ہے۔انہیں جس چیز کی ضرورت ہے یعنی اگر اسے اناج کی ضرورت ہے یا اگر اس کے پاس مویشی ہوں تو چارے کی ضرورت ہو یا جلانے کے لئے لکڑیوں کی ضرورت ہو یا سبزی کی ضرورت ہو تو وہ بازار جائیں اور وہاں جو چیزیں فروخت ہوتی ہیں، مناسب نرخ سے خریدی جائیں۔کسی پر ظلم نہ زبردستی ہو۔کسی سے جھگڑا نہ کیا جائے۔فوج کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ جمع کی جائیں تاکہ برسات کے موسم میں آسانی ہو سکے۔روزانہ کی خوراک کے لئے کارکن جو اناج دیں گے وہی لیا جائے۔

جس کی وجہ سے کسی کو بھی بھوکا رہنا نہ پڑے گا۔اور روزانہ کھانے کو اناج ملتا رہے گا۔ایسا کرنے سے گھوڑے بھی قوی اور توانا رہیں گے۔

فوج کے سپاہی کارکنوں سے کسی قسم کی تکرار نہ کریں۔ہمیں یہ چاہئے اور وہ چاہئے یہ کہتے ہوئے گوداموں میں گھس کر مار پیٹ نہ کریں۔

آج کل گرما کا موسم ہے۔فوج کے سپاہی اپنے اپنے ٹھکانوں پر رہیں گے۔ان میں سے کوئی انگیٹھی جلائے گا اور کوئی چولہا سلگائے گا، چولہے سے تمباکو کو جلانے کوئی آگ لے گا۔آس پاس گھانس رہتی ہے ہوائیں چلتی رہتی ہیں۔نامعلوم ذریعہ سے آگ لگ جائے گی۔دھوکہ ہوگا۔کسی ایک مکان کو آگ لگ جائے تو سارے مکان جل جائیں گے۔

اس لئے تمام کو تاکید کی جائے کہ تمام ادھیکاری مسلسل دورے کرتے رہیں اور نظر رکھی جائے کہ کس نے آگ جلائی ہے۔کس کے گھر میں رات میں چراغ جلتا ہے۔کیونکہ کبھی جلتے ہوئے چراغ کی بتی چوہے لے کر دوڑتے ہیں۔اس لئے اس قسم کا کوئی واقعہ نہ ہونے پائے۔۔۔

ان وجوہات کی بنا پر یہ مراسلہ لکھا جا رہا ہے۔چھاونی میں جتنے جملہ دار، حوالدار، کارکن حاضر ہیں وہ اس حکم کی تفصیلات غور سے سنیں اور چوکنا رہیں۔۔۔جن لوگوں سے خطا ہوگی اسے سزا دی جائے گی۔یہ سب مناسب تصور کر کے اپنا اپنا برتاؤ جاری رکھیں۔

(زراعتی محصول سے متعلق شیواجی مہاراج نے بتاریخ ۶ رجب ۱۰۷۷ھ مطابق ۵رستمبر ۱۶۷۶ءکو ایک صوبہ دار کو جو مراسلہ روانہ کیا گیا تھا اس طویل مراسلہ کے صرف اہم متن کا مراٹھی سے

اردو ترجمہ دیا جارہا ہے)۔(مترجم)

''صاحب (شیواجی مہاراج) مہربان ہو کر حکم دیتے ہیں کہ چوری نہ کی جائے۔ ایمانداری سے کام کرنے کی تو نے قسم کھائی ہے۔ اس کے مطابق رعیت کی سبزی کی فصل کی ایک کاڑی کی توقع نہ رکھتے ہوئے بغیر غلطی کئے اپنے رویہ کو برقرار رکھے۔ زراعت سے متعلق بوائی، اگانے اور آب پاشی کے جو بھی کام ہیں وقت مقررہ پر ہونے چاہئیں۔

صاحب (شیواجی مہاراج) کے لئے جو فائدہ مند (کام) ہو وہ کرتے رہنا۔ ملک میں بٹائی (جس میں کاشتکار آمدنی کا ایک خاص حصہ مالک زراعت کو دیتا ہے) کا طریقہ جاری ہو لیکن رعیت پر زیادہ بوجھ نہ ہو اس بات کا خیال رکھا جائے اور رعیت کا جو حصہ زراعت کی آمدنی میں ہو وہی رعیت کو ملنا چاہئے اور حکومت کا (یعنی راجہ کا) حصہ اپنے پاس آئے ایسا طریقہ جاری رہے۔ رعیت پر ایک کاڑی کے برابر ظلم کیا یا غیر مناسب برتاؤ کیا تو صاحب تم پر ناراض رہیں گے اور یہ یقینی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ رعیت کے پاس سے محصول صرف غلہ کی شکل میں وصول کیا جائے نہ کہ نقد رقم کی صورت میں غلہ کی شکل میں وصول شدہ محصول نہایت ہوشیاری اور عقلمندی سے فروخت کیا جائے تاکہ زیادہ قیمت وصول ہو اور صاحب کا فائدہ ہو۔ محصول وصول کر کے جمع کیا جائے اور کس موسم میں کون سی چیز فروخت کی جائے تاکہ فائدہ ہو اس بات کا خیال رکھتے ہوئے وہی چیز فروخت کی جائے۔ اس طرح مال جمع نہیں رہے گا اور اچھے داموں میں فروخت ہوگا۔ ناریل، سپاری، کالی مرچ کی فروخت نہایت عقلمندی سے کرنا۔ اگر یہ اشیاء زائد قیمت سے دس بازاروں میں فروخت کی گئیں اور صاحب کا فائدہ ہوا تو یہ یقین کر لینا کہ اس کا معاوضہ تمہیں مل جائے گا۔

بعد اس کے رعیت میں توانائی وطاقت پیدا کر کے ان سے بوائی کا کام کروالینا۔ اس کام کی تکمیل اور کامیاب ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ محنت کر کے گاؤں گاؤں دورے کرتے رہنا۔ تم جس گاؤں میں جاؤ گے وہاں کنبی (کاشتکار) ایک جگہ جمع کئے جائیں۔ ان میں جس کے پاس کاشتکار کی صلاحیت ہے اور افرادی طاقت ہے اور اسی مناسبت سے ان کے پاس بیل ہیں، تخم ریزی کے لئے بیج ہیں اور مزید ان کے پاس زراعتی سامان ہو تو بہت ہی اچھا ہے۔ ایسے کاشتکار خود ہی اپنی زمین میں کاشتکاری کریں۔ جس کے پاس زراعت کرنے کی صلاحیت ہو لیکن ہل چلانے بیل نہیں

ہیں، کھانے کے لئے اناج نہیں ہے اور ان وجوہات کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہو رہی ہو وہ بیکار ہو گیا ہو ایسی صورت میں اسے دو چار بیل خریدنے کے لئے رقم دی جائے۔ کھنڈی دو کھنڈی (غلہ ناپنے کا ایک معیار) غلّہ دیا جائے اور دو چار بیل خرید کر دیئے جائیں۔ وہ جس قدر کاشت کر سکتا ہو اس سے کروائی جائے۔ اس کاشتکار سے اتنی ہی رقم وصول کی جائے جتنی قرض کے طور پر بہ شرط واپسی دی گئی ہو۔ زائد رقم وصول نہ کی جائے۔ جب تک وہ خود کفیل نہیں بنتا یہ سلسلہ جاری رکھا جائے۔ اس مقصد کیلئے لاکھ دو لاکھ لاری (اس دور کا چاندی کا ایک سکہ) خرچ کر کے ہر ایک کاشتکار کی خبر گیری کر کے اسے طاقتور بنا کر زمین زیر کاشت لا کر، بنجر زمین کو قابل کاشت بنا کر سرکار کے لئے زیادہ آمدنی کی جائے اور اگر وہ صاحب (مہاراج) کو منظور ہو تو اتنی رقم اس کام کے لئے دی جائے گی۔

اسی طرح کوئی کاشتکار محنت ومشقت کر کے کاشتکاری کرنے کے لئے پر امید ہو لیکن پچھلا بقایا اس پر ایک بوجھ ہے اور وہ ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہو، اقساط ادا نہ کرنے کی وجہ سے مالی طور پر کمزور ہو، گاؤں چھوڑ کر جانا چاہتا ہو ایسی صورت میں ایسے کاشتکار کے اقساط معاف کر کے اور وصولی معطل کر کے صاحب (مہاراج) کو یہ اطلاع دی جائے۔ اسے معافی دے دی جائے گی۔

مراسلہ:۳

[جزیہ کے تعلق سے شیواجی مہاراج نے اورنگ زیب عالمگیر کے نام 1679 کے وسط میں ایک طویل مراسلہ تحریر کیا تھا، مشہور مورخ سرجادو ناتھ سرکار نے اپنی کتاب ''شیواجی اینڈ ہیز ٹائمس'' (Shivaji & His Times) صفحہ 320 پر لکھا ہے کہ یہ مراسلہ شیواجی کے دربار کے ایک کائستھ نیلا پربھو نے بہت ہی عمدہ فارسی میں ڈرافٹ کیا تھا۔ اسی مراسلہ کی تلخیص حسب ذیل ہے]۔ (مترجم)

''یہ شیواجی جو متواتر اور دائمی طور پر آپ کا نیک خیر خواہ ہے خدا کی مہربانی اور شہنشاہ کی عنایت کا طالب۔ وہ عنایت جو سورج سے زیادہ روشن ہو۔ شہنشاہ کو اطلاع دیتا ہے کہ وہ اپنی بدقسمتی سے آپ کے حضوری سے بغیر اطلاع اور بغیر اجازت واپس آیا۔ پھر بھی وہ اس بات کے لئے راضی

ہے کہ جو بھی خدمت اسکے ذمہ دی جائے گی وہ پوری کی جائے گی۔ حال ہی میں میرے کان پر بات آئی ہے کہ مجھ سے کی جانے والی لڑائی کی وجہ سے آپ کا خزانہ خالی ہوا ہے اور آپ نے حکم دے رکھا ہے کہ جزیہ کے نام سے رقم ہندوؤں سے وصول کی جائے۔ تاکہ شاہی ضروریات کی تکمیل ہو سکے۔

جناب والا! اس سلطنت کے تانے بانے اکبر بادشاہ نے بنے ہیں جنہوں نے پورے 52 سال (قمری) اپنی طاقت سے حکومت کی۔ انہوں نے عیسائی، یہودی، مسلمان، فلاکیہ (آسمان کو پوجنے والے)، دہریے، براہمن اور جین پجاریوں سے ''صلح کل'' کی قابل قدر پالیسی کو اپنایا۔ ان کا وسیع قلب عوام کی خوشی اور ان کی حفاظت کا متمنی تھا۔ اس لئے وہ ''جگت گرو'' کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ یعنی دنیا کے روحانی گروان کے بعد شہنشاہ نورالدین جہانگیر نے ۲۲ سال تک اپنے کرم کا سایہ اس دنیا اور دنیا کے باشندوں پر ڈالا۔۔۔

اکبر بادشاہ نے جس چیز کی خواہش کی اور اس پر نظر ڈالی۔ کامیابی نے ان کی طرف خوش آمدید کہتے ہوئے قدم بڑھایا ان کے دور میں بہت ساری حکومتیں اور قلعے فتح ہوئے۔ ان تینوں حکمرانوں کی طاقت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب عالم گیر بادشاہ نے ان حکمرانوں کی پالیسی ترک کی وہ ناکام ہو گئے۔ وہ تینوں جزیہ وصول کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ لیکن ان تینوں کے دلوں میں یہ ناقص خیال کبھی نہیں آیا کیونکہ وہ نچلے اور اونچے لوگوں کو خدا کی تخلیق کا نمونہ تصور کرتے تھے جو مختلف عقائد اور مزاجوں کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کی (یعنی تینوں حکمرانوں کی) رحمدلی اور مہربانیوں کے نشانات وقت کے صفحات پر ہمیشہ ثبت رہیں گے۔ اس لئے چھوٹے بڑے انسانوں کے دلوں اور زبانوں پر ان کی خالص ارواح کے لئے ہمیشہ تعریف و دعا رہے گی۔ خوشحالی پھل ہے اچھے کاموں کا۔ اس لئے جب جب خدا کی مخلوق ان کے دور حکومت میں امن اور حفاظت سے رہی وہ اپنی مہمات میں کامیاب رہے۔

جناب والا کے دور حکومت میں بہت سے قلعے اور صوبہ جات آپ کے ہاتھ سے نکل گئے اور باقی جلد ہی نکل جائیں گے کیونکہ میں انہیں برباد کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ آپ کے کسان غریب ہیں۔ ہر موضع کی آمدنی کم ہو گئی ہے۔ جہاں ایک لاکھ روپے کی آمدنی تھی وہاں سے صرف ایک ہزار روپے وصول ہو رہے ہیں اور جہاں ایک ہزار روپے کی آمدنی تھی وہاں صرف دس روپے وصول ہوتے ہیں، وہ بھی بڑی مشکل سے۔ جب غربت اور فقیری نے شہنشاہوں اور

شہزادوں کے محلات میں اپنا ٹھکانہ بنا لیا ہو تب ایسی صورت میں عہدہ داروں اور منصبداروں کے بارے میں کیا کہا جائے۔ یہ ایسا دور حکومت ہے جس میں فوج میں بے چینی ہے۔ تاجر شاکی ہیں۔ مسلمان روتے ہیں۔ ہندوؤں پر زور زبردستی ہوتی ہے۔ بہت ساروں کو رات میں روٹی نصیب نہیں اور دن میں یہ اپنے گالوں پر طمانچہ مار لیتے ہیں۔ ان پریشان کن حالات میں جناب والا کا شاہی مزاج، جزیہ کی مصیبت میں اضافہ کو کیوں اجازت دیتا ہے۔ یہ بدنامی مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گی اور تاریخ کے صفحات پر یہ لکھا جائے گا کہ ہندوستان کا شہنشاہ ہاتھ میں فقیر کا کشکول لئے براہمنوں، جین منیوں، یوگیوں، سنیاسیوں، بیراگیوں، غریبوں، تباہ حال ملکوں اور قحط سے متاثر عوام سے جزیہ وصول کرتا ہے اور اس شہنشاہ کی جرأت کا اظہار غریبوں کے جیبوں پر حملہ سے ہوتا ہے۔ اور اس طرح یہ چیز تیموریوں کی شان و شوکت کو خاک میں ملاتی ہے۔

جناب والا قرآن الہامی کتاب ہے۔ اگر آپ کو ان خدائی الفاظ پر ایمان ہو تو آپ اس میں پائیں گے کہ خدا رب العالمین ہے یعنی تمام انسانوں کا نہ صرف مسلمانوں کا۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام اور ہندوازم، ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ لیکن اس کا مالک جس نے مختلف رنگوں کے حسین امتزاج سے جو خاکہ بنایا ہے اس میں یہ دونوں مذاہب دو مختلف رنگ ہیں جہاں مسجد میں اذان کے ذریعہ خدا کو یاد کیا جاتا ہے وہیں مندر میں گھنٹی بجا کر اس کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔ اس لئے کسی مخصوص انسان کے عقائد اور عبادت کے معاملہ میں تعصب سے کام لینا مقدس کتاب (قرآن) میں دخل اندازی ہوگی۔ کسی مخصوص مصور کی تصویر میں مزید اضافہ اس مصور کی تصویر میں نقص نکالنے کے مماثل ہے۔

انصاف کے سخت ترین تقاضوں کے پیش نظر جزیہ غیر قانونی نہیں ہے۔ سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ اسی وقت جائز ہوگا جب ایک خوبصورت عورت سونے کے گہنے پہن کر ایک علاقے سے دوسرے علاقے بغیر کسی ڈر اور خوف اور بغیر کسی چھیڑ چھاڑ کے گزر سکے۔ لیکن ان دنوں تو شہروں میں لوٹ ہوتی ہے، دیہاتوں کی بات تو دور رہی۔

جزیہ ہندوستان کے لئے نہ صرف نیا ہے بلکہ نامناسب بھی اور اگر آپ عوام پر ظلم اور ہندوؤں کو خوف زدہ کرنے کو ہی نیکی تصور کرتے ہیں تو سب سے پہلے جزیہ رانا راج سنگھ پر عائد کیجئے جو ہندوؤں کا سردار ہے تب مجھ سے جزیہ وصول کرنا بہت مشکل نہ ہوگا۔ کیونکہ میں تو آپ کی

خدمت کے لئے تیار ہوں۔ لیکن مکھیوں اور چیونٹیوں پر ظلم ہمت اور جرأت نہیں۔ مجھے تعجب ہے آپ کے عہدہ داروں کی عجیب وغریب ایمانداری پر جو آپ کو حقائق سے نابلد رکھتے ہیں۔ جو در حقیقت آگ کو سوکھی گھانس سے ڈھانکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دعا ہے کہ آپ کی شہنشاہیت کا سورج افق پر چمکتا رہے''۔

(ختم شد)

شیواجی پر کچھ اہم کتب

1)Prof. D.V.Kale - Chatrapati Shivaji Maharaj - Pune University 1961 (Marathi)

2) A.S. Keluskar - Shri Chatrapati Shivaji Maharaj Yanche Charitra (Marathi)

3) G.S.Sardesai - Shak Karta Shivaji, K.B. Dhavle, Bombay, 1935 (Marathi)

4) A.R. Kulkarni - Shivkalin Maharashtra - Shivaji University , Kolhapur, 1977 (Marathi)

5) V.K. Rajwade - Etihasik Parastavna - Chitreshala Press , Pune , (Marathi)

6) Lalji Pendse - Dharam Ki Karanti - Lalji Pendse, Mumbai, 1942 (Marathi)

7) Com. S.A. Dange-Bara Bhashne, Abhinav Parkashan, Mumbai, 1975, (Marathi)

8) D.K. Bedekar - Sanguk Maharashtra - Chitrashala Press, Pune, 1947 (Marathi)

9) Prof. T.S. Shejwalker - Shivcharitra, Prastavana wa Arakhada, Maratha Mandir, Mumbai 1964 (Marathi)

10) D.G.Godse - Shakti Saushtav, Popular, Mumbai, 1978 (Marathi)

11) D.G.Godse - Samande Talash - Popular, Mumbai, 1980, (Marathi)

12) Prof. P.N. Deshpande - Shivaji Maharaj Chi Patre (Marathi)

13) Sharad Joshi & others - Shetkari Cha Raja, Shivaji (Mumbai) Shetkari Parkashan, Raigarh (Maharashtra)

''عوام کے حقیقی رہنماؤں کے پاس ملک کے کثیر عوام کو اپنے طرف متوجہ کرنے کے لئے جس طاقت کی ضرورت ہوتی ہے وہ شیواجی کے پاس بڑے پیمانے پر تھی۔ یہ لٹیروں اور مذہبی کٹر پنتھیوں کے پاس کبھی نہیں رہتی ۔ جماعت ۔ ذات ۔ پنتھ کے فرق کو نظر انداز کر کے سماج کے تمام افراد شیواجی کے قریب جمع ہوتے ۔ کیونکہ وہ سماج کی خواہشات اورامیدوں کی کئی شکلوں میں نمائندگی کیا کرتے تھے۔''

جسٹس مہادیو گوند رااناڈے ۔ (رائز آف مراٹھا امپائر)، (Rise of Maratha Empire)

''شیواجی کے سوراج میں پہلی مرتبہ ملک کو حکومت کے کاروبار چلانے کا تجربہ ملنے لگا۔ لیکن اس تجربہ کو علم کا ساتھ نہ ملنے کی وجہ سے ذہنی افلاس قائم رہا۔ اس تجربہ نے اس ملک کے ایک بازو کو مضبوط کیا ۔ غیر معروف اور نچلے طبقات نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ بھکشو بڑے بڑے متصدی بن گئے ۔ کاشتکار بڑے سیناپتی اور جاگیردار بن گئے ۔ کارکن عملدار ہو گئے ۔ اگر انھیں علم کا ساتھ ہوتا تو ملک کے مستقبل کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔''

(شبك کرتا (زمانه ساز) شیواجی از ریاست کار سردیسائی ، مشهور مورخ)

''باپ نے اپنے بڑے لڑکے دارا کو جانشین نامزد کرنے کے باوجود اورنگ زیب کے ڈھونگ اور عیاری کے سامنے وہ ٹک نہ سکا۔ یہ تاریخی حقیقت ملک کے لئے بہت مہلک ثابت ہوئی ۔ اس لئے اس کو ملک کو ایک اکائی اور ایک ہی حکومت کے تحت طاقتور ہونے کے جو امکانات پیدا ہوئے تھے وہ ختم ہوئے ۔ ہندو مسلم مسئلہ مناسب ڈھنگ سے سلجھایا جا سکتا تھا۔ مگر وہ موقع بھی ہاتھ سے نکل گیا اور مذہبی لڑائی کی مصیبت یہاں کے عوام پر نازل ہوئی۔ مسلمان حکمرانوں سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوا۔ اس لئے ایک ہندو راجہ کو خود کی ذہانت سے اس مسئلہ کو حل کرنے کی سوجھی اور یہ شخص شک کرتا شیواجی (زمانہ ساز شیواجی) تھا۔

شری شیوچھترپتی از پروفیسر ٹی ایس شیجوالکر:Shejwalkar ، مشهور مورخ)

''عوام کی خواہشات کے مطابق ایک مثالی راجہ، شیواجی کی شکل میں نازل ہوا۔ شیواجی نے فوراً قدیم وطن (جاگیریں) موقوف کیں۔ قدیم ٹیکس رد کر دیئے کاشتکاروں پر لامحدود حکومت کو ختم کر کے محصول وصول کرنے کی ٹھیکیداری کا سلسلہ بند کر دیا۔ ہر ایک کو کاشت کرنے زمین، لگادار کو استحکام، صرف پیدا شدہ آمدنی پر محصول ۔ کاشتکار کی پیداوار پر جاگیرداروں کے حقوق کا خاتمہ جیسے اقدامات شیواجی کی معاشی اصلاحات تھیں ۔''

باره تقارير ـ از : کامریڈ شری پدڈانگے (مشهور کمیونسٹ رهنما)

14) Jayant Gadkari - Shivaji Lok Kalyankari (Marathi)

15) Raja Ram Shastri Bhagwat - Marathya Sambandhi Char Bol (Marathi)

16) Prof. Narhar Kurundker , Shivaji Maharajanche Rahse (Marathi)

17) Sarkar J.N.,Shivaji & His Times - Orient Longman, Dehli, 1973 (English)

18) Sen S.N., The Administrative System of the Marathas, Calcutta 1925 (English)

19) Rande M. G., The Rise of Maratha Power, Panalekar & Sons Bombay 1902 (English)

20) Prof. G.B. Sardar - Sant Wangmae Chi Samajik Phalshruti, (Marathi)

21) Pagdi Setu Madhav, Chhatrapti Shivaji - Continental Publication , Pune , 1974 (English)

گوبند پانسرے

کچھ مصنف کے بارے میں

کامریڈ گوبند پانسرے مہاراشٹر کے مشہور کمیونسٹ رہنما ہیں۔ آپ پیشہ وکالت سے منسلک ہیں۔ 1933ء میں احمد نگر ضلع کے موضع ''کولہار'' میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی وثانوی تعلیم راہوری (ضلع احمد نگر) میں حاصل کی۔ گریجویشن اور قانون کی ڈگری کی تکمیل کولہاپور میں کی۔ ابتدائی زندگی میں کبھی اخبار فروش بنے اور پھر پرائمری ٹیچر کی حیثیت سے کام کیا۔ 1964ء سے کولہاپور میں وکالت کررہے ہیں۔ 1952ء سے ہی کمیونسٹ تحریک سے وابستہ ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف سماجی اداروں اور مزدوروں کی انجمنوں سے ان کی وابستگی بھی قابل ذکر ہے۔ گوا کی تحریک آزادی میں بھی شریک رہے۔ بابری مسجد کی شہادت کے بعد جو سماجی تناؤ اور فرقہ وارانہ ماحول پیدا ہوا تھا اسے کم کرنے اور امن قائم کرنے میں پہل کرتے رہے۔ پچھلے 9 سال سے کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا یعنی سی پی آئی مہاراشٹر کے سکریٹری کی حیثیت سے کام کررہے ہیں۔ سیکولر نظریہ کے زبردست حامی ہیں۔ مراٹھی زبان میں ان کی بہت ساری تصانیف مشہور ہوئیں۔ زیرِ نظر تصنیف ''شیواجی کون ہوتا'' اور اس کا ہندی ترجمہ ''شیواجی مہاراج کون تھے'' بہت مشہور ہوئیں۔ ان کی ایک اور تصنیف ''مسلمانوں کا لاڈ'' قابل ذکر ہے۔

پانسرے صاحب نے اعداد وشمار کی بنیادوں پر ثابت کیا کہ آزادی کے بعد سنگھ پریوار نے کس طرح دروغ گوئی سے کام لے کر یہ تاثر دیا کہ بھارت میں مسلمانوں کا لاڈ کیا جاتا ہے، جبکہ حقائق یہ بتلاتے ہیں کہ زندگی کے ہر شعبے میں ان سے ناانصافی ہوئی۔ منڈل کمیشن کی سفارشات کے مضمرات پر بھی ان کی کئی تصانیف ہیں۔ حال ہی میں کولہاپور کے شہریوں نے انہیں ''کولہاپور بھوشن'' کا اعزاز بخشا ہے۔ شیواجی مہاراج کی حیات اور کارناموں اور ان کے سیکولر کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے مہاراشٹر بھر میں کئی سو لیکچرس دیئے ہیں۔ زیرنظر تصنیف درحقیقت شیواجی مہاراج پر دیئے گئے ان لیکچرس اور مضامین کا ایک مختصر مجموعہ ہے جو شیواجی مہاراج کی زندگی کے کچھ اہم تابناک پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن 1988ء میں شائع ہوا تھا اب تک اس کے کئی ایڈیشن نکل کر تقریباً ایک لاکھ نسخے فروخت ہوچکے ہیں۔ اس سے اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ کوئی تفصیلی سلسلہ وار حالات پر مبنی روایتی تاریخ کی کتاب نہیں۔ قارئین اس کا خیال رکھیں۔ امید ہے کہ مصنف کی کاوش کو اردو قارئین قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

سید شاہ غازی الدین، ایڈوکیٹ (مترجم)